سلسلۂ مطبوعات کتابخانۂ ریاست رامپور، نمبر ۸

متفرقات غالب

یعنی

مرزا غالب کے غیر مطبوعہ مکتوبات و منظومات

مرتبہ

سید مسعود حسن رضوی، ادیب، ایم۔ اے

صدر شعبۂ فارسی و اردو، لکھنؤ یونیورسٹی

ہندوستان پریس رامپور

۱۹۴۷ع

سلسلۂ مطبوعات کتابخانۂ ریاست رامپور، نمبر ۸

متفرقات غالب

یعنی

مرزا غالب کے غیر مطبوعہ مکتوبات و منظومات

مرتبۂ

سید مسعود حسن رضوی، ادیب، ام۔ اے

صدر شعبۂ فارسی و اردو، لکھنؤ یونیورسٹی



ہندوستان پریس رامپور

۱۹۴۷ع

فہرست مندرجات

—:0:—

مقدمة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مرزا غالب کے غیر مطبوعہ مکتوبات و منظومات
کا یہ مجموعہ جو «متفرقات غالب» کے نام سے پیش کیا
جا رہا ہے، غالب کے قدر دانوں کے لیے خاص
دلچسپی کا باعث ہوگا اور غالب کے متعلق تحقیق
کرنے والوں کے لیے کچھ نیا مواد فراہم کر دے گا۔
اس مجموعے میں جو چیزیں شامل ہیں ان کے
بارے میں کچھ ضروری باتیں ذیل میں بیان
کی جاتی ہیں۔

میرے کتب خانے میں ایک بیاض ہے، جس
میں مرزا غالب کے اڑتالیس فارسی خط، دو
فارسی قطعے، ایک فارسی مثنوی، اور ایک اردو غزل
بھی شامل ہے۔ یہ کل خط ایسے لوگوں کے نام ہیں جو
کلکتے میں مقیم تھے۔ اور یہ سب نظمیں ایسی ہیں

«قطعۂ نوشتۂ ابوالقاسم خان برای اسداللہ خان
غالب و دو قطعہ در ہمان شعر و تاویہ مع چند رقعات کہ
غالب بقاسم در سلک تحریر کشیدہ درین قرطاس بہ وصل
ملاصق نمودہ می آید» ۔

بقیہ خطوں کے مضمون سے پتا چلتا ہے کہ ان
میں سے زیادہ تر خطوط مولوی سراج الدین احمد
کے نام اور چند خط مرزا احمد بیگ خان کے نام ہیں
اور ایک خط ادارۂ جام جہاں نما کے نام ہے۔ مولوی
سراج الدین احمد کے نام جو خط ہیں ان میں کئی
ایسے ہیں جو غالب کی کتاب پنج آہنگ میں شامل
ہیں۔ مگر وہاں ان میں سے بہت بہت سی عبارت حذف
کر دی گئی ہے اور جگہ جگہ لفظ اور فقرے بدل
دیے گئے ہیں اس لیے یہ خط بھی اپنی اصلی
صورت میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ ایسے ہر خط
کے آخر میں پنج آہنگ مطبوعۂ نول کشور پریس
لکھنؤ سنہ ۱۲۸۷ھ کے اس صفحے یا صفحوں کا حوالہ
دے دیا گیا ہے جس میں وہ خط درج ہے۔ اس طرح
ان خطوں کا مقابلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

جو غالب نے کلکتے کے قیام کے زمانے میں کہی تھیں اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کسی کلکتے کے رہنے والے ہی نے یہ تمام چیزیں اس بیاض میں جمع کی ہیں۔ ان میں سے چند نظمیں اور چند خطوں کے اقتباس میں نے اپنے ایک مضمون کے سلسلے میں رسالۂ الناظر لکھنؤ کے دسمبر سنہ ۱۹۳۴ء کے پرچے میں شایع کر دیے تھے اس مضمون کا عنوان تھا «مرزا غالب کا کچھ غیر مطبوعہ کلام اور اس کی شان نزول[۱]»۔

اس بیاض میں جو خط شامل ہیں وہ سب فارسی میں ہیں اور ان میں آخر کے بیس خط مرزا ابوالقاسم خان قاسم کے نام ہیں۔ ان خطوں سے پہلے قاسم کا ایک قطعہ غالب کے نام اور غالب کے دو قطعے قاسم کے نام ہیں اور عنوان پر یہ عبارت درج ہے:

۱۔ غلام رسول صاحب مہر نے اپنی کتاب غالب میں کئی جگہ اس مضمون سے کام لیا ہے اور اس کا حوالہ دیا ہے۔ دیکھو غالب تیسرا اڈیشن صفحہ ۳۰ - ۳۱ و ۱۱۴ و ۱۱۵ و ۱۲۳

تا سراج الدین احمد چارہ جز تسلیم نیست
ورنہ غالب نیست آہنگ غزل خوانی مرا

انھیں کی فرمائش پر غالب نے اپنے اردو اور فارسی کے منتخب شعروں کا مجموعہ "گل رعنا" کے نام سے مرتب کیا تھا اور اپنی کتاب "دستنبو" کا ایک نسخہ ان کے پاس بھیجنے کے لیے منشی شیو نرائن کو ان کا پتا یوں لکھنے کی ہدایت کی تھی:

"در لکھنؤ بہ احاطۂ خانساماں متصل تکیۂ شہر علی شاہ بہ مکانات مولوی عبدالکریم مرحوم بخدمت مولوی سراج الدین احمد برسد" ۱-

مرزا احمد بیگ خان طپاں اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔ ساح اپنے تذکرۂ شعرا میں لکھتے ہیں:

"طپاں تخلص مرزا احمد بیگ خان مرحوم ولد نواب عطاء اللہ خان، باشندۂ دھلی، مقیم کلکتہ، مختار صدر دیوانی کلکتہ، شاگرد مرزا جان طپش، اولاد میں

۱۔ غالب تیسرا اڈیشن ۱۱۲-۱۱۳

مولوی سراج الدین احمد کے متعلق محمد اکرام صاحب اپنی کتاب آثار غالب میں لکھتے ھیں :

«کلکتے میں غالب کی ملاقات لکھنو کے مولوی سراج الدین احمد سے ہوئی جن کا اخبار آئینۂ سکندر سے کچھ تعلق تھا اور جن کا حکام میں بھی بڑا رسوخ تھا انہیں مرزا نے عزیز ترین دوستوں میں سمجھنا چاھیے اور غالب کے فارسی مکتوبات میں سب سے زیادہ خطوط انھیں کے نام ھیں۔ ان کے ایما پر غالب نے قیام کلکتہ کے دوران میں اپنے اردو دیوان کا انتخاب اور فارسی کلام «گل رعنا» کے نام سے جمع کیا»

غلام رسول صاحب مہر نے اپنی کتاب «غالب» میں مولوی سراج الدین احمد کے متعلق جو کچھ لکھا ھے اس کا خلاصہ یہ ھے کہ وہ غالباً لکھنو کے رھنے والے تھے اور کاروبار کے سلسلے سے کلکتے میں مقیم تھے۔ غالب نے ان کے انتقال کے بعد خواجہ غلام غوث بیخبر کو ایک خط لکھا تھا جس میں ان کو «مخلص صادق الولا» کہا ھے اور ان کی زندگی میں اپنی ایک فارسی غزل کے مقطع میں ان کا ذکر یوں کیا تھا :

نساخ اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں۔

"قاسم تخلص شہزادہ ابوالقاسم، اولاد میں امیر تیمور کی تھے۔ کلکتے میں بھی آئے تھے۔"[1]

اپنی پنشن کے مقدمے کے سلسلے میں غالب کو فروری ۱۸۲۸ء سے اکتوبر ۱۸۲۹ء تک کوئی پونے دو برس کلکتہ میں قیام کرنا پڑا تھا۔ اس زمانے میں ان سے اور مذکورۂ بالا دونوں شخصوں سے دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے تھے یا مراسم بڑھ گئے تھے

مرزا احمد بیگ خاں اور مرزا ابوالقاسم خاں دونوں اصل میں دہلی کے رہنے والے تھے اور ان میں اور غالب میں ہم وطنی کا رشتہ تھا، جو عالم غربت میں ہمیشہ بہت مضبوط ہو جاتا ہے اور دلی اتحاد اور یک جہتی کا بہت بڑا ذریعہ بن جاتا ہے مولوی سراج الدین احمد ان تینوں صاحبوں کے ساتھ ہم وطنی کا رشتہ تو نہیں رکھتے تھے۔ مگر بے وطنی کے رشتے نے ان کو بھی اس جماعت میں شریک کر دیا

۱۔ سخن شعرا: ۳۸۸

تغتمش خان والی دشت قبچاق کے تھے۔ دیوان ان کا نظر سے گزرا۔ سنہ ۱۸۳۴ع میں فوت کی۔ مرزا احمد بیگ اپنا تخلص حرف طاء مہملہ سے لکھتے تھے۔"

طپاں کے استاد مرزا خان طپش خواجہ میر درد کے شاگرد تھے اور وہ بھی اپنا تخلص حرف طا سے لکھتے تھے۔۱

غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا احمد بیگ خان غالب کی بیوی کے سب سے بڑے چچا کے سالے تھے۔ اس طرح غالب کی ان سے دور کی رشتہ داری بھی تھی۔

مرزا ابو القاسم خان قاسم دہلی کے شہزادے تھے۔ غالباً ترک وطن کرکے کلکتہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ بینی نرائن جہان لکھتے ہیں:

"قاسم تخلص، نام ابو القاسم خان، خاندان بادشاہی سے کچھ قرابت رکھتے ہیں۔ خاکسار کو بھی ان کی خدمت میں ایسار ہے۔ بالفعل کلکتہ میں تشریف رکھتے ہیں"۔۲

۱۔ تذکرِ سخن شعر ۲۰۲۔۲۰۳ (۲) دیوان جہان قلمی۔

ایک مرتبہ مرزا غالب نے مرزا ابو القاسم خاں کو
مسہل لینے کا مشورہ دیا، جس سے انہیں فائدہ ہوا
انہوں نے اس کے شکریے میں ایک مختصر قطعہ لکھ
کر غالب کو بھیجا اور جو آدمی یہ قطعہ لے کر گیا تھا
اسی کے ہاتھ دال اور اچار کا تحفہ بھی بھیجا۔ غالب
نے فوراً ایک قطعہ اسی زمین میں کہا، جس میں
اس تحفے کی شاعرانہ انداز میں خوب تعریف کی اور
تحفہ بھیجنے والے کو دعائیں دیں اور اپنا قطعہ مرزا
ابو القاسم خان کو انہیں کے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا۔
ان دنوں میں کچھ لوگوں نے غالب کے ایک فارسی
شعر پر اعتراض کیا تھا اور قتیل کا قول سند کے
طور پر پیش کیا تھا اس پر غالب نے کہا کہ میں
امیر خسرو کے سوا ہندوستان کے کسی فارسی گو کو
نہیں مانتا اور اس سلسلے میں قتیل کا ذکر تحقیر کے
ساتھ کیا۔ اس بات سے معترضین کا جوش بہت بڑھ
گیا اور انہوں نے غالب پر اعتراضوں کی بوچھار
کر دی۔ یہی زمانہ تھا جب غالب نے وہ قطعہ فی
البدیہہ کہہ کر مرزا ابو القاسم خاں کو بھیجا تھا۔
اس کے بعد کو انہیں خیال آیا کہ کہیں اس قطعے میں

تھا، اور چاروں بزرگوں میں بڑی دوستی اور بے
تکلفی ہوگئی تھی۔

مولوی سراج الدین احمد حکام رس آدمی تھے
اور ان دنوں مرزا غالب کی پنشن کا مقدمہ چل رہا
تھا، اس لیے ان کے نام جو خط غالب نے لکھے ہیں
ان میں زیادہ تر اپنے مقدمے کا ذکر کیا ہے۔

مرزا احمد بیگ خاں صدر دیوانی میں مختار تھے
ان سے بھی غالب کو اپنے مقدمے کی پیروی میں مدد
مل سکتی تھی۔ مگر وہ دہلی کے رہنے والے تھے اور
غالب کے مخالف فریق سے بھی ان کے تعلقات تھے
اس لیے مقدمے کے معاملے میں غالب ان کو اپنا
همراز بنانا مناسب نہیں سمجھتے تھے۔ مرزا ابوالقاسم
خان دہلی کے شہزادے تھے اور غالباً اپنی آبائی شان
و شوکت کو مٹتے دیکھ کر اور اس طرح برسا منظر
کی تاب نہ لا کر وطن سے بہت دور کلکتے میں آکر
خانہ نشین ہوگئے تھے۔ ان کے نام غالب کے جو خط
ہیں ان میں زیادہ تر فقط گھریلو اور نجی باتوں کا
ذکر ہے۔

ہے جو مذکورۂ بالا بیاض سے لے کر پیش نظر کتاب میں شامل کی گئی ہے اس غزل کا ایک شعر یہ ہے :

ہم سخن اور ہم زباں، حضرت قاسم و طپاں
ایک طپش کا جانشیں، درد کا یادگار ایک

طپاں اور طپش کے تخلصوں کی مناسبت ظاہر کر رہی ہے کہ طپش کے جانشین طپاں ہی ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ تذکرۂ سخن شعرا کی جو عبارت اوپر نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہو چکا ہے کہ طپاں مرزا جان طپش کے شاگرد تھے اسی تذکرے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طپش خواجہ میر درد کے شاگرد تھے۔ اس طرح طپاں کو درد کا یادگار بھی سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن مقولۂ بالا شعر میں سیاق کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جب طپاں کو طپش کا جانشین مان لیا، تو قاسم کو درد کا یادگار ماننا ہوگا۔ قاسم خواجہ میر درد کی اولاد میں تو تھے نہیں، ان کی شاعری کا سلسلہ درد تک پہنچتا ہوگا مگر یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ وہ کس کے شاگرد تھے۔ غالب کی اسی غزل کا ایک شعر یہ ہے :

کوئی قابل گرفت غلطی نہ ہوگئی ہو اور کہیں وہ مضامین کے ساتھ نہ لگ جائے۔ اس خوف سے انہوں نے اسی دن اسی زمین میں ایک اور قطعہ کہا اور ایک خط کے ساتھ ابو القاسم خان کو بھیج دیا اس خط میں لکھا کہ "وہ قطعہ آج صبح کو میں نے آپ کے خط کے جواب میں بھیجا تھا وہ بغیر فکر کی اعانت کے محض قلم کی مدد سے لکھ ڈالا تھا وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ آپ کے قطعے کا جواب قرار پائے۔ وہ تو گویا فقط دال اور اچار کی رسید تھی۔ جو قطعہ اب بھیج رہا ہوں یہ البتہ آپ کے قطعے کا جواب ہے۔ یہ خط اس کتاب کے صفحے ٧٦-٧٧ پر اور تینوں قطعے (یعنی ایک قطعہ قاسم کا اور دو غالب کے) کتاب کے صفحے ١٠٧-١١٣ پر درج ہیں۔ غالب کے دونوں قطعوں کے باہمی مقابلے سے معلوم ہوگا کہ ان کے فی البدیہہ کلام اور غور و فکر سے انجام دیے ہوئے کلام میں کیا فرق ہے۔

مرزا احمد بیگ خان طپاں اور مرزا ابو القاسم خان قاسم کی تعریف میں غالب نے ایک اردو غزل کہی

سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ قاسم شیعہ تھے۔ اور اگر یہ قیاس صحیح ہے، تو غالب کے پیش نظر شعر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ طپاں سنی تھے۔ بہر حال مذہب کا اختلاف ان لوگوں کے باہمی خلوص میں مخل نہ تھا

اس بیاض میں غالب کی ایک مثنوی بھی شامل ہے، جو انھوں نے کلکتے کے قیام میں تصنیف کی تھی۔ اس کا سبب تصنیف معترضوں کی وہ یورش بھی جس کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ کلکتے کے ایک مشاعرے میں غالب نے غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ تھا:

جزوی از عالمم و از همه عالم بیشم
همچو موئی که بتان را ز میان برخیزد

اس پر کسی نے اعتراض کر دیا کہ "همه عالم" کی ترکیب غلط ہے اور اپنی تائید میں قتیل کا یہ قول پیش کیا کہ عالم مفرد ہے، اس کا ربط همه کے ساتھ صحیح نہیں۔ یہ اعتراض ایک ادبی معرکے کی

دونوں کے دل حق آشنا، دونوں رسول پرندا
ایک محب چار یار، عاشق ہشت و چار ایک

یہ شعر صاف بتاتا ہے کہ قاسم اور طپاں میں ایک صاحب بارہ اماموں کے ماننے والے یعنی اثنا عشری شیعہ تھے، اور ایک چار یار کے پیرو یعنی اہل سنت تھے۔ غالب نے ایک خط میں قاسم کو سید الشہدا علیہ السلام کی قسم دی ہے، ایک قطعے میں یہ دعائیہ شعر لکھا ہے:

شاد و خرم بزی کہ در دو جہاں
دستگیر تو سید الشہدا ست

اور ایک خط میں یہ عبارت لکھی ہے:

"دی روز تبرکی کہ فرستادہ بودند رسید و در دو عالم سرفراز گردانید۔ صاحب نذر تا زمان ظہور خویشتن سلامت دارد و بہ اعلیٰ مراتب صورت و معنی رساند"۔

اس عبارت میں قرینہ بتاتا ہے کہ "صاحب نذر" سے امام مہدی آخر الزماں مراد ہیں۔ ان سب باتوں

کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ اس لیے وہ مثنوی بھی اس کتاب میں شامل کرلی گئی ہے۔

غالب اپنے ایک خط میں، جو چودھری عبدالغفور کے نام ہے اس مثنوی کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ مثنوی جس میں یہ مصرع ہے "حاشا للہ کہ بدنمی گویم" کلکتے میں میں نے لکھی ہے۔ پانچ ہزار آدمی فراہم تھے اور جو اعتراض مجھ پر کیے تھے ان میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ "ہمہ عالم" غلط ہے یعنی ہمہ کا لفظ عالم کے ساتھ ربط نہیں پاسکتا، قتیل کا حکم یوں ہے۔ عرض کیا گیا کہ حافظ کہتا ہے "ہمہ عالم گواہ عصمت اوست"، سعدی کہتا ہے "عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم ازوست"۔ غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ مثنوی وہاں لکھی گئی اور ایک ایک نقل مولوی کرم حسین بلگرامی اور مولوی عبدالقادر رام پوری اور مولوی نعمت علی عظیم آبادی اور ان کے امثال اور نظائر کے پاس بھیجی گئی۔ اگر یہ لوگ جگہ پاتے تو میری کھال ادھیڑ ڈالتے"۔۱

۱---ادبی خطوط غالب سنہ ۱۹۲۹ع ص ۱۹-۱۸

بنیاد بن گیا اور کلکتے میں غالب کی مخالف و موافق
دو جماعتیں بن گئیں۔ اس موقع پر غالب نے ایک
مثنوی کہی، جس میں اپنے مخالفین سے خطاب کر کے
اپنے قیام کلکتے کی غرض بیان کی، فارسی زبان اور
شاعری کے متعلق اپنا مسلک بتایا اور آخر میں ان کی
تالیف قلب کی کوشش کی۔ غالب کے مخالفین قتیل کے
ماننے والے تھے اور غالب نے قتیل کی جو تحقیر کی
تھی وہی ان کی مخالفت کا خاص سبب تھی۔ اس لیے
غالب نے ان کی خاطر سے قتیل کی تعریف بھی کر دی۔
مگر اس میں اتنا مبالغہ کیا کہ وہ تعریف ہجو ملیح بن
گئی۔ یہ مثنوی غالب کے کلیات نظم میں "باد مخالف"
کے نام سے شامل ہے۔ مگر اس میں کہیں لفظی ترمیم
کر دی گئی ہے، کہیں کوئی شعر گھٹا یا بڑھا دیا گیا
ہے، کہیں شعروں کی ترتیب بدل دی گئی ہے۔ مثنوی
کے ابتدائی حصے میں یہ تغیرات کم ملتے ہیں، مگر
جتنا آگے بڑھیے، تبدیلیاں زیادہ ہوتی جاتی ہیں، اور
آخری حصہ تو گویا بالکل بدل گیا ہے۔ اس بیاض میں
اس کی وہی شکل ہے جس میں وہ کلکتے والوں

مصمم کی شاعری کے بھی قائل نہ تھے۔ اس خط کو نقل کرنے والے کی بدخطی اور کیڑوں کی گلکاری نے مل کر اس کا پڑھنا ایک مشکل کام بنا دیا ہے۔ بہت غور کرنے کے بعد بھی بعض لفظوں میں شک باقی رہ گیا۔ یہ خط اس کتاب کے صفحے ۹۹—۱۰۲ پر نقل کیا گیا ہے۔

یادگار غالب میں خواجہ حالی نے غالب کی ایک مثنوی کا ذکر کیا ہے اور اس کا سبب تصنیف یہ لکھا ہے:

"ایک دفعہ بہادر شاہ بہت بیمار ہو گئے۔ اس زمانے میں مرزا حیدر شکوہ، جو اکبر شاہ کے بھتیجے اور مرزا سلیمان شکوہ کے بیٹے تھے، وہ لکھنؤ سے آئے ہوئے تھے اور بادشاہ کے ہاں مہمان تھے۔ ان کا مذہب اثنا عشری تھا۔ جب بادشاہ کو کسی طرح آرام نہ ہوا، تو مرزا حیدر شکوہ کی صلاح سے سالک شفا دی گئی اور اس کے بعد بادشاہ کو صحت ہو گئی۔ مرزا حیدر شکوہ نے نذر مانی تھی کہ بادشاہ

میرے کتب خانے میں انشاے طاہر وحید کا ایک پرانا قلمی نسخہ ہے۔ اس کے شروع میں دو سادے ورق تھے، جن پر غالب کا ایک طولانی خط شیخ ناسخ کے نام کسی نے نقل کرلیا تھا اور اس پر یہ عبارت لکھ دی تھی:

«نقل خط مرزا اسد اللہ خان غالب کہ بہ شیخ ناسخ مرحوم نوشتہ بودند»۔

یہ خط غالباً اب تک شایع نہیں ہوا ہے۔ اس کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی مالی پریشانیوں کا حال سن کر شیخ ناسخ نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ دکن چلے جائیں، جہاں مہاراجہ چندولال کی فیاضیاں ان کو آسودہ حال بنا سکتی تھیں اس خط کے جواب میں غالب نے یہ خط ناسخ کو لکھا تھا۔ اس خط کے آخری حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قتیل سے غالب کو اتنی نفرت تھی کہ جو شخص قتیل کو استاد سمجھتا ہو اس کی قدردانی اور سرپرستی کو بھی وہ اپنے لیے ننگ سمجھتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں وہ قتیل سے بیزار تھے وہاں شاہ

خواجہ حالی کے اس بیان میں کئی غلطیاں ہیں، جن میں دو بہت نمایاں ہیں۔ ایک یہ کہ انھوں نے مرزا حیدر شکوہ کو مرزا سلیمان شکوہ کا بیٹا اور اکبر شاہ کا بھتیجا بتایا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مرزا حیدر شکوہ مرزا سلیمان شکوہ کے بیٹے نہیں تھے، بلکہ ان کے بیٹے مرزا کام بخش کے بیٹے تھے، یعنی مرزا سلیمان شکوہ کے پوتے تھے، اور اکبر شاہ مرزا سلیمان شکوہ کے بڑے بھائی تھے۔ اس لیے مرزا حیدر شکوہ اکبر شاہ کے بھتیجے نہیں بلکہ پوتے ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ بہادر شاہ ظفر اکبر شاہ کے بیٹے تھے، اس لیے وہ مرزا حیدر شکوہ کے چچا ہوئے۔ مرزا حیدر شکوہ اپنی مثنوی «شوکت حیدری» میں خود کہتے ہیں:

حساب بہادر شہ نامدار
کہ ہم عم ما هست و هم شهریار

دوسری غلطی یہ ہے کہ دمغ الباطل مرزا غالب کی مثنوی کا نام قرار دیا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ غالب کی مثنوی کا نہیں، بلکہ شیخ امام بخش

کو صحت ہو جائے گی، تو حضرت عباس کی درگاہ میں، جو کہ لکھنؤ میں ہے، علم چڑھاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے لکھنؤ جا کر بادشاہ کو عرضداشت بھیجی کہ میرا مقدور نذر ادا کرنے کا نہیں ہے، حضور مدد فرمائیں یہاں سے بادشاہ نے کچھ روپیہ مرزا حیدر شکوہ کو بھجوایا اور انہوں نے بڑی دھوم دھام سے علم چڑھایا، جس میں اودھ کا تمام شاہی خاندان اور امرا و علماء سب شریک تھے، اور مجتہد العصر کے ہاتھ سے علم چڑھوایا گیا۔ اس واقعے کے بعد یہ بات عموماً مشہور ہوگئی کہ بادشاہ شیعہ ہوگئے۔ اس شہرت کا بادشاہ کو بہت رنج ہوا اور حکیم احسن اللہ خان مرحوم نے اس کے تدارک کے لیے کچھ رسالے شایع کرائے، اور بہت سے اشتہارات کوچوں اور بازاروں میں چسپاں کرائے گیے، اور بادشاہ کے حکم سے مرزا صاحب نے بھی ایک مثنوی فارسی زبان میں لکھی، جس کا نام غالباً «دمغ الباطل» رکھا تھا اور جس میں بادشاہ کو تشیع کے اتہام سے بری کیا گیا تھا»۔

کو بھی بھیجا، جس میں ان کو لکھا کہ معلوم نہیں علم حضرت عباس کی درگاہ میں چڑھا دیا گیا یا نہیں اگر نہ چڑھایا گیا ہو، تو جلد چڑھا دیا جائے۔ قصہ مختصر مرزا حیدر شکوہ کی معرفت بہادر شاہ کا خط وصول ہونے کے بعد مجتہد العصر نے ۲ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۰ھ کو وہ علم شاہی انتظام اور شاہانہ جلوس کے ساتھ حضرت عباس کی درگاہ میں چڑھا دیا۔ یہ خبر کچھ جھوٹے سچے حاشیوں کے ساتھ دہلی پہنچی اور وہاں کے علما و مشائخ نے بہادر شاہ کو دھمکی دی کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو جمعہ اور عیدین کی نماز کے خطبے سے ان کا نام نکال دیا جائے گا۔ اس خوف سے بہادر شاہ مکر گئے اور یہ ظاہر کیا کہ مرزا حیدر شکوہ اور مرزا نورالدین نے ان کی بیماری کے زمانے میں ان کی صحت کے لئے اپنی منت کے موافق علم چڑھانے کی اجازت مانگی تھی، سو انہوں نے اپنے طور پر پورا کیا ہے۔

علم کے قضیے نے بہت طول کھینچا اور اس کے بارے میں بہت خط و کتابت ہوئی اس سلسلے کی

صہبائی کی مثنوی کا نام تھا، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ غالب کی زیر بحث مثنوی کا غالباً کوئی نام نہیں رکھا گیا تھا۔

علم کے قضیے کے متعلق خود مرزا حیدر شکوہ کا بیان یہ ہے کہ جس زمانے میں وہ کلکتے میں مقیم تھے، بہادر شاہ ظفر بیمار ہوئے۔ اسی بیماری کی حالت میں انھوں نے ایک خواب میں خود کو حضرت عباس کی درگاہ میں علم چڑھاتے ہوئے دیکھا اور ایک خط میں مرزا حیدر شکوہ کو اس خواب کا حال لکھ بھیجا۔ جب بہادر شاہ کو صحت ہوئی، تو انھوں نے ایک سونے کا علم بنوا کر مرزا حیدر شکوہ کے بھائی مرزا نور الدین کے ساتھ لکھنؤ بھیجا۔ جب حیدر شکوہ کلکتے سے واپس آئے اور بہادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انھوں نے اس خواب اور علم کا حال زبانی بھی ان سے بیان کیا۔ اور لکھنؤ کے مجتہد سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب کے نام ایک خط لکھ کر مرزا حیدر شکوہ کی معرفت روانہ کیا۔ انھیں کے ساتھ ایک خط مرزا نور الدین

شکوہ کی سمت اس مثنوی میں ایسا اور ایسا لکھا ہے؟
مرزا نے لکھ بھیجا کہ میں ملازم شاہی ہوں جو کچھ
بادشاہ کا حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ اس
مثنوی کا مضمون بادشاہ اور حکیم احسن اللہ خاں کی
طرف سے اور الفاظ میری طرف سے تصور فرمائے
جائیں"۔

یہ مثنوی بہادر شاہ کی طرف سے لکھی گئی
تھی مگر خواجہ حالی کے اس بیان سے صاف ظاہر
ہوتا ہے کہ اس کو غالب نے نظم کیا تھا اور خود
اس کا اعتراف بھی کرلیا تھا۔ جب یہ مثنوی لکھنؤ
پہنچی، تو لوگوں نے کلام کی شان سے اندازہ کر لیا
کہ یہ غالب کے قلم سے نکلی ہے چنانچہ اس مثنوی
کے جواب میں جو مثنوی لکھی گئی، اس کے ایک
شعر میں اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے۔
وہ شعر یہ ہے:

خصم گردد ز قہر او منکوب
گرچہ غالب بود، شود مغلوب

تمام اہم تحریریں مرزا حیدر شکوہ نے ایک رسالے میں جمع کر دی ہیں۔ اسی رسالے میں انہوں نے یہ دعوی بھی کیا ہے کہ امیر تیمور سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کل مغل بادشاہ مذہباً شیعہ تھے۔ اور اس دعوے کے کچھ ثبوت بھی پیش کیے ہیں۔ یہ رسالہ سنہ ۱۲۷۰ھ میں «رسالۂ علم حیدری در عقائد سلاطین تیموری» کے نام سے لکھنؤ میں چھپا تھا اور اس کا ایک نسخہ راقم کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۱

غالب کی مذکورۂ بالا مثنوی کے بارے میں خواجہ حالی تحریر فرماتے ہیں:

«اس مثنوی میں مرزا نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں لکھی تھی، بلکہ جو مضامین حکیم احسن اللہ خان نے بتائے تھے، ان کو فارسی میں نظم کر دیا تھا۔ جب یہ مثنوی لکھنؤ پہنچی، تو مجتہد العصر نے مرزا سے دریافت کیا کہ آپ نے خود مذہب شیعہ اور مرزا حیدر

۱۔۔۔اس رسالہ کے ساتھ مثنوی شرکت حیدری بھی شامل ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ ادیب

اس کا مصنف کون ہے۔ اس مثنوی کے جواب میں شیخ امام بخش صہبائی نے «دمغ الباطل» کے نام سے ایک مثنوی لکھی، جو ۱۲۷۱ھ میں افضل المطابع دہلی میں چھاپی گئی۔ اس مثنوی میں لکھنؤ والی مثنوی کے مصنف میر دوست علی خلیل ہی قرار دیے گئے ہیں۔ مثنوی کے ابتدائی حصے میں صہبائی نے ان کے نام کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

مرد نادان کہ مرتد ازلی
دشمن است آنکہ نیست دوست علی

اور آخری حصے میں ایک جگہ نام اور تخلص دونوں لائے ہیں:

دشمنی از کلام تست جلی
بغلط گشتۂ تو دوست علی
اے بد انجام زشت ابنائی
بسار آز بن کلام آرائی
ورنہ چندان ذلیل خواہی شد
کہ بگبر ان خلیل خواہی شد

مجتہد العصر سلطان العلماء مولوی سید محمد صاحب کے بھتیجے زبدۃ العلماء مولوی سید علی نقی صاحب کی قلمی کشکول، جو میرے مکرم حکیم سید علی صاحب آشفتہ کے پاس موجود ہے۔ اس میں غالب کی یہ مثنوی بھی نقل کی گئی ہے اور اس کے عنوان پر «مثنوی مرزا نوشہ غالب» لکھا ہوا ہے۔ اس کشکول میں وہ تحریریں بھی نقل کی گئی ہیں جو رسالہ «علم حیدری» میں شامل ہیں اور ان کے علاوہ اس سلسلے کی چند تحریریں اور بھی اس میں موجود ہیں۔

غالب کی مثنوی کے جواب میں جو مثنوی لکھنؤ میں لکھی گئی تھی وہ «مثنوی شیعیان علی در رد مثنوی جعلی دہلی» کے نام سے ۱۲۷۰ھ میں چھپی تھی۔ اس کے ساتھ غالب کی مثنوی بھی شامل ہے۔ اس کا ایک نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس جوابی مثنوی میں مصنف کا نام نہیں بتایا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ خواجہ آتش کے شاگرد میر دوست علی خلیل کی تصنیف ہے۔ جب یہ مثنوی دہلی پہنچی، تو یہ خبر بھی پہنچ گئی کہ

خانے میں موجود ہے۔ یہ نسخہ مطبع مجمع البحرین لودیانہ میں سنہ ۱۲۸۶ھ میں چھپا تھا۔ ذیل میں مثنوی خطاب فاضل کے ابتدائی حصے سے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں، جن سے اس مثنوی کا سنہ تصنیف معلوم ہوتا ہے:

این زمان کان ز هجرت نبی است
شش و هفتاد و یک هزار و دویست

ورقی چند دیدا چیز آمد
طلعت امر در نظر آمد

نظم مربوط بود و بندش نغز
یک بمانند نی همه بی مغز

عالماً از کلام غالب بود
که بسوی شاه نسبتش بود

پس خلیل خلیل دوست علی
عاشق صادق علی ولی

از سواد عیون حور بهشت
زد بر آن نامهٔ سیاه نوشت

اور اسی سلسلے میں کنایۃ یہ بھی کہا ہے کہ اس مثنوی کی تصنیف میں مفتی میر محمد عباس صاحب شوستری نے خلیل کو مدد دی ہے۔ مفتی صاحب مرحوم کا رنگ کالا تھا، اس لیے صہبائی نے ان کو لفظ "سیاہ" سے یاد کیا ہے۔ کہتے ہیں:

پندمن بشنو و بہانہ مگیر
بگذر از صحبت سیاہ ضمیر
این سیاہت تباہ خواہد کرد
دل چو رویت سیاہ خواہد کرد

مفتی صاحب کا قیام ان دنوں کلکتے میں تھا جب دمغ الباطل ان کی نظر سے گزری، تو شریف العلما مولوی حاجی سید شریف حسین ابن ارسطو جاہ مولوی حاجی سید رجب علی خان کی فرمائش پر انھوں نے اس کے جواب میں مثنوی "خطاب فاصل" لکھی، جو سنہ ۱۲۷۶ھ میں شروع اور سنہ ۱۲۷۷ھ میں ختم ہوئی، اس مثنوی کا ایک نسخہ جس کے ساتھ صہبائی کی دمغ الباطل بھی شامل ہے، میرے کتب

قسمت ایں حا .آخذو اہ ہواند

می او ایسم جواب او بر یاد

اختصار کے لیے ان شعروں کے درمیان میں
بہت سے شعر حذف کر دیے گئے ہیں۔

اس سلسلۂ مثنویات کی پہلی کڑی جو غالب کی طرف منسوب ہے، اس کے جواب میں ایک مثنوی شاہزادۂ مرزا حیدر شکوہ نے بھی لکھی تھی اور اس کا نام اپنے نام کی رعایت سے "مثنوی شوکت حیدری" رکھا تھا۔ یہ مثنوی رسالۂ علم حیدری کے ساتھ بھی چھپی تھی اور علاحدہ بھی۔ اس کا ایک نسخہ سنہ ۱۲۷۰ھ کا چھپا ہوا میرے کتب خانے میں موجود ہے۔ غالب کی زیر بحث بے نام مثنوی اس کتاب کے صفحے ۱۳۵ ۱۵۵ میں نقل کی گئی ہے۔ اس مثنوی کے جواب میں جو مثنوی لکھی گئی تھی، اس کا کچھ ابتدائی حصہ بھی ضمیمے کے طور پر کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مذہبی مناظرہ شروع ہو گیا ہے اور اصل مثنوی میں جو سخت کلامی کی گئی تھی، اس کا جواب ترکی بہ ترکی دیا گیا ہے۔

۱۔ صہبائی کا نام امام بخش تھا۔ ادیب

سالها دیگرے ز قوم دلیل
رد نوشتست بر کلام خلیل
هیچ از ننگ و نام بخشش نیست
جز به نام از امام بخشش نیست
من ندارم با او شناسائی
چیست صهبا و اینست صهبائی
بر خلیل جلیل بر شد که نا...
که به نیروی من ... داستان
لاجرم برمنش ... هست
طعن و طنزی و پیچ و تاب هست
طعنه بر ما بجای خود زده است
خود درفشی بپای خود زده است
رد او را چو بنده بنویسم
عیب او پوست کنده بنویسم
دیدهٔ گر نو دمغ باطل را
بنگر هم خطاب فاضل را
این منم در حدود کلکته
هست معلوم حالش البته

زبدۃ العلما مولوی سید علی نقی کی جس کشکول کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اس میں غالب کا ایک سلام بھی ہے جو انھوں نے سلطان العلما مولوی سید محمد صاحب کو سنہ ۱۲۷۰ھ میں بھیجا تھا۔ یہ سلام رسالہ مبصر لکھنؤ کے مئی سنہ ۱۹۲۹ع کے پرچے میں شائع ہوا تھا اور اسی پرچے سے اس کتاب میں نقل کیا گیا ہے۔ اس سلام کا ایک شعر جس میں ایک نزاعی مذہبی مسئلے کی طرف اشارہ کیا گیا تھا حذف کر دیا گیا ہے۔

ایک بلند پایہ ایرانی شاعر گل محمد خان ناطق مکرانی ہندوستان آیا اور مدت تک لکھنؤ میں مقیم رہا۔ یہاں کے قیام کے دوران میں اودھ کے بادشاہوں اور امیروں کی مدح میں بہت سے قصیدے کہے اور سنہ ۱۲۶۰ھ میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کے شاگرد جواہر سنگھ جوہر نے اس کا متفرق کلام جمع کر کے ایک مختصر سا دیوان مرتب کیا اور اس کا تاریخی نام «جوہر معظم» رکھا۔ دیوان کے آخر میں ناطق کے چند خط بھی شامل ہیں ان میں وہ خط بھی ہے جو

یہ پانچوں مثنویاں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، فارسی زبان میں ہیں اور ان میں سے تین کے مصنف فارسی کے مشہور و معروف ادیب ہیں۔ صہبائی فارسی کے استاد سمجھے جاتے تھے، غالب کی فارسی نثر و نظم کا ہندوستان بھر میں ڈنکا بج رہا تھا، مفتی میر عباس ایک جید عالم اور فارسی و عربی کے زبردست ادیب اور شاعر تھے۔ ان کی علمیت و ادبیت کی شہرت ایران و عراق تک اور ان کی تصنیفوں کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی تھی۔ میر دوست علی خلیل اردو کے ممتاز شاعر تھے، مگر ان کی یہ مثنوی بتاتی ہے کہ ان کی فارسی نظم بھی چست و درست ہوتی تھی مرزا حیدر شکوہ کی عبارت میں بھی پختگی اور روانی کی صفتیں موجود ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ پانچوں مثنویاں ادبی حیثیت سے اچھی خاص دلچسپی کی حامل ہیں۔ مگر چونکہ اس سلسلے کی پہلی مثنوی کا لہجہ تند تھا، اس لیے ہر جوابی مثنوی کا لہجہ تند تر ہوتا گیا اور چونکہ ان میں دو فریقوں کے مذہبی نزاعی مسئلے زیر بحث تھے، اس لیے کلام میں تلخی بڑھتی گئی۔

جو غالب کی بے نام مثنوی کے جواب میں کہی گئی
تھی -

میں جناب مولوی امتیاز علی صاحب عرشی، ناظم
کتب خانۂ سرکاری ریاست رامپور، کا شکر گزار
ہوں کہ موصوف نے کتاب کے پروف کی تصحیح
کا مشکل اور غیر دلچسپ کام اپنے ذمے لے کر مجھ
کو اس زحمت سے نجات دے دی۔

سید مسعود حسن رضوی

ناطق نے مرزا غالب کو لکھا تھا اور جس میں غالب کے ایک شعر پر یہ اعتراض کیا تھا کہ سور کے بچے بہاں دو تے، سم ہوتے ہیں۔ غالب نے اس خط کا جو جواب دیا تھا وہ پنج آہنگ میں موجود ہے۔ ناطق کا خط اور غالب کا جواب یہ دونوں چیزیں مولوی رفعت علی رفعت رسولپوری کے قلمی مجموعۂ نظم و نثر میں بھی شامل ہیں۔ رفعت ناطق اور غالب کے ہم عصر تھے اور لکھنؤ میں امرا کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے۔ ناطق کا خط، اس کے دونوں نسخوں کا مقابلہ کرنے کے بعد، اختلاف نسخ کے ساتھ ضمیمے کے طور پر اس کتاب میں شامل کیا جاتا ہے۔ اس سے غالب کے اس خط کو سمجھنے میں مدد ملے گی، جو انھوں نے ناطق کو لکھا تھا۔

یہ مجموعۂ متفرقات دو حصوں اور دو ضمیموں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ حصۂ اول مکتوبات غالب پر اور حصۂ دوم منظومات غالب پر مشتمل ہے ضمیمۂ الف میں ناطق کا خط غالب کے نام ہے اور ضمیمۂ ب میں اس مثنوی کا ابتدائی حصہ ہے

حصۂ اول

مکتوبات

بنام مولوی سراج الدین احمد

(۱)

والی من و مولای من،

یکم جمادی الثانیه روز یکشنبه بختی سعی آوارگی
در زاویهٔ دهلی پای بدامن کشید. لازم آئین غمخواری
و جان‌پروری نکویانی که درین سفر دیده روشناس
کف پای آنان گشته که وطن را بمذاق من شوریده
مشرب تلخ‌تر از غربت ساخته است. بالله والله
ثم تالله که رسیدن به دهلی هرگز تلافی اندوه هجران
کلکته نه کرد، تا به شادی چه رسد. بحال تباهی گرفتارم
که هر که از اهل نظر مرا به بیند، بداند که این رهرو
بمنزل رسیده است، بلکه پندارد، دردمندیست تازه از
وطن بغربت افتاده. آری، چنینم و چگونه چنین نباشد
کسی که مولوی سراج الدین احمد و مرزا احمد بیگ خان

بشما فرستادن - چون ندانم سراپردهٔ بارگاهش رونق‌افزای کدام مرز و بوم است، نقش این آرزو را در دل گداخته‌ام - و هم حال عرضداشتی که از باندا فرستاده بودم، ندانم که بر و چه گزشت و مرا در دل داور جای چه مقدار است - ناچار بشما درد سر میدهم که خدا را نیکسیهای مرا درنظر آورده حال عرضداشت مرسله از باندا و طریق گزشتن وی بنظر داور و مقدار توجه وی بسوی من آنچه از انداز و ادا پدید آمده باشد رقم فرمایند - اگر ملفوف عنایت نامهٔ مرزا صاحب بفرستند، آسان تر - و اگر خواهند که جداگانه بفرستند، عنوان رافت نامه را بطغرای این رقم بیارایند که «این خط به دهلی در حویلی نواب عبدالرحمٰن خان بمطالعهٔ اسد برسد» - خدا‌انگانا، چون هرزه رقم نامهٔ من از نقوش ولولهٔ شوق ساده است، افسرده دل از خودم ندانند، بلك این مکتوبی است که در جوش پراکندگی وآشفتگی بشما نبشته‌ام، تا حال من بر شما مجهول نماند - پس از آن که خود را گرد آورده و نفس راست

و میرزا ابوالقاسم خان را از کف داده باشد. وای بر من و روزگار من! طرفگی این که در عرض این سه سال رسم و راه اعیان دهلی برگشته و نام مهر و وفا در نهاد یاران نمانده. از دوستان موافق گروهی به آغارجا خرامیده و سرخوشان بزم انس جرعهٔ فنا چشیده. گرانمایگان و صاحبدلان در زوایای خمول خزیده، وسفلگان و سفیهان رونق عرصهٔ داروگیر گردیده. حال دادگاه از دادخواهان تباه‌تر و روزهای مردم از چشم بیوفایان سیاه‌تر. یکی ازآن جماعه منم که تا رسیده‌ام، بهرسو دویده‌ام و اثر آزرم در هیچ طینت ندیده‌ام. معزول بخود مشغول و منصوب شهر آشوب. عجب این که آن امیدوار اعادهٔ شوکت زائله است و این بیمناک افنای سطوت حاصله. نامهٔ نامی که در باندا بمن رسیده بود، سطری از اخبار نهضت رایات جهانگشای صاحبان خسرونشان داشت. هنوز آن چنان بروی کار نیامده. همانا که آن حکم نفاذ نیافته باشد. می‌خواستم عرضداشتی بداور مظلوم‌پرور نبشتن و

خویشتن گویم، تا نهفتگی‌ها آشکار شود. سبحان الله، چه بی تامل از رگ کلکم فرو ریخت که از ماجرای داد خواهی خویشتن گویم! بحیرتم که چگویم از ماجرائی که خود نیز نمیدانم مختصر مفید، به دهلی رسیدم و از حکام استدعای اجرای حکم صدر کردم. پدید آمد که هیچ حکم از صدر نرسیده است. همانا نامه کاغذ گم شده بود و بیاد رفته حاکم رحمت کرد و بصدر بنشت. مثنی بار آمد. حاکم آن را دید و خط به شمس الدین احمد خان بنشت و حال متعلقان نصر الله بیگ خان بازجست. مدعی علیه جواب فرستاد که بموجب پروانهٔ مهری جرنیل لارڈ لیک بهادر پنج هزار روپیه سالانه بدان گروه میدهم. حاکم اصل سند برای ملاحظه طلبید. چون رسید، نقلش نه دوبر داشت و اصل به فرستنده باز داد. نقل آن نقل بمن عنایت شد. جواب آن هرچه بدانش خداداد من پسندیده نمود، نوشتم و به محکمه فرستادم. دیگر جز این قدر ندانم که حال چیست و ماجرا چه معنی دارد. فلان بیگ بمقتضای طمع مال

کرده خواهم زیست، نیازنامهای عاشقانهٔ من آنمایه خواهد رسید که دفتر دفتر کاغذ پاره فراهم خواهد شد. والسلام خیر ختام۔ (پنج آهنگ: ۱۳۵)

(۲)

والی و مولای من،

امروز که هشتم شوال و روز آدینه است، وقت چاشت مهربانی نامه دررسید و صلای شادمانی بخشید و خاطر را از غم وارهانید چون سرنامه باز کردم، دیدم آنچه بچشم تصور میدیدم۔ خدای من با من است۔ نه بینم چه میشود و سپهر بکام که میگردد۔ جواب نامهٔ نامی را ،وقوف بر انکشاف حقائق و طلبی میرزا غلام عباس خان داشته ام۔ پس از یك هفته خواهم نوشت آنچه باید نوشت۔ خاطر جمع دارند و بندهٔ خود پندارند این چند سطر که بشما می‌نویسم، خاص از برای دیدن شما ست۔ بکس منمائید، خود بنگرید و از اندوه من آگاه شوید۔ نخست از ماجرای داد خواهی

است و ثانیاً به اعتماد حق گوئی خویش. والله یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید. کارها بخدا سپرده‌ام و از هجوم اعدا باك ندارم. سرموی از تن ابراهیم درآتش نمرود نسوخت و گرد فتوری از انبوه سحرهٔ فرعون بر اندام موسیٰ نه نشست. مراچه ضرور است تا خدای توانا بدگمان بودن و از فتنه‌انگیزی اعدا هراسان بودن!

حال حامه گزاشتن کرایل املاك صاحب پیش از ورود کرمی نامه بزبان یکی از صاحبان والا شان شنوده‌ام. برای مخدومی مرزا ابوالقاسم خان صاحب و مشفقی آقا محمدحسین صاحب سخت غمین بوده ام. خدا کند، در وصیت نامه امری مندرج باشد که برای این صاحبان کفایت کند! افسوس، از حال مخدومی نواب مهدی علی خان بهادر خبرم نیست! من خود ازین سراسیمگی‌ها، که از یمین و یسار در شکنجهٔ بیم و خطرم کشیده‌اند، مجال نامه نگاری نیافته‌ام، و نواب صاحب را کجا دماغ یاد آوردن خاکسارانست. همین دم در حالت تحریر این سطور مرزا داوٗد بیگ رسیدند

کمر به کینم استوار بسته اند و در نظر خلق اعانت
حواهر و کودکانش را سرمایهٔ تاویل وتسویل قرار
داده‌اند. من مرد حق جوی حق پرستم، راست میگویم
و حق می‌جویم. نه عدوی شمس الدین خان صاحبم و
نه دشمن خواجه حاجی و پسرانش. شمس الدین خان
برادرزن من است و خواجه حاجی پسر بارگیر جد من
و پسرانش از دو پشت خانه‌زاد و از سه پشت
نمکخوار من. از احمد بخش خان که برادرزن عم من و
برادر پدرزن من بود، دو شکایت داشتم و دارم:
یکی تقلیل مقدار وجه پرورش بی وقوع جرم و گناه،
دوم شمول خواجه حاجی بی ثبوت وجه استحقاق؛ و
مجموع عرائض من ازین هر دو شکوه لبریز است.
شمس الدین خان سندی به تعداد پنج هزار روپیه سالانه
به محکمه گذرانده و مرا هیچ ازین معارضه پروا نیست.
فلان بیگ از راه فتنه‌انگیزی و خلاف‌نمائی دشنه
بر گلویم رانده و مرا هیچ ازین عربده محابا نیست.
پشت‌گرمی من اولاً به امید عدل و داد اهالی سرکار

دولتکده در نظر داشتم و به زمان ورود شما میدانستم.
بالجمله تا مکتوب شما را نگریستم، صد بار ملك بیش
برسر و چشم نهادم و جان بر فرق فرزندان های شما نثار
کردم. هم مرا از تفرقهٔ رسیدن و نرسیدن نامهٔ من نجات
دادید و هم مرا از تردد حرکت و سکون خود وا
رهانیدید. برسلامت حال شما سپاس بجای آوردم و خدای
را ثناهای بی اندازه گفتم. حقا که از خوبان روزگارید.
سلامت باشید. انصاف بالای طاعت. مرزا احمد بیگ
خان عالم مهر و جهان وفایند. دوسه ماه از حال من
چشم پوشیده بودند و از تحریر دست باز کشیده.
هفتهٔ می گذرد که دوتا نامه ازآن جانب رسید.
عذر کوتهقلمیها خواسته بودند، و حالها به تحریر
در آورده. ازین سو نیز پاسخها روان شده. بتقریب
اطلاع باز گفته شد. جان من، ماجرا این ست که مرا
از آغاز نظلم از احمد بخش خان دو شکایت است: یکی
تقلیل مقدار وجه پرورش و دوم شمول خواجه حاجی.
اکنون که کار به داور افتاد، بالفرض اگر همه پیچ

و نامهٔ مرقومهٔ ۲۸ رمضان رسانیدند. چون جواب آن مجموع مراتب بطریق کشف پیش از ورودش نگارش یافته است، بپاسخ تازه التفات نکردم. فلان بیگ حال مرا پرسیده‌اند. خوشا حال من که خدا را توانا و دانا میدانم و انبیا را مرسل من الله و حسین را بندهٔ حق و طالب حق و برگزیدهٔ حق می‌شناسم ویزید را ظالم و ناانصاف و ناحق می‌شمارم! زیاده زیاده است.

(۳)

والی من و مولای من،

هفتدهم شوال ویازدهم اپریل روز یکشنبه دم صبح بوقتی که باد بهاری در وزیدن و غنچه در شکفتن و گل در دمیدن بود، دلکشا نامه رسید و جیب و کنارم به گل انباشت و مسرت ورودش مرا بسرمایهٔ نشاط تونگر ساخت. بخدا که رسیدن این نامه از حوصلهٔ تمنای من افزون بود، چه خود من از سراسیمگی هرزه‌عنوان نامهٔ به کانپور فرستاده‌بودم به نشان

دعوی من بصدر نبشت. چون راست گفته بودم، مثنیٰ از صدر رسید. حاکم خط به مدعیٰ علیه نوشت. مدعیٰ علیه سندی به مهر جرنیل لیک صاحب مشتمل بر تعداد پنج هزار روپیه سالانه فرستاد و گفت: «بموجب این سند پنج هزار روپیه به خویشان نصر الله بیگ خان مید هم». حاکم نقل آن سند بمن داد و از من جواب طلبید. من جواب آن سند به محکمه رسانیدم. فی الحقیقة آن سند جعلی است و من جعلیت آن سند را بدلائل ثابت کرده‌ام. از آن جمله یکی اینست که نقل آن سند از دهلی تا کلکته در هیچ کدام دفترکده نیست. حالیا حال دادگاه اینست که حاکم در آمیزش بسته و باعتکاف نشسته است. کارها درهم و حالها برهم. اهل دفتر سوگند میخورند که جز پروانه‌های راهداری هیچ گونه تحریر دست نزده‌ایم. و مشاهده نیز گواه این معنی است. حاکم کجا، تا روی رسم و حالها باز گویم! تا که حاکم بار میداد، میرفتم و می نشستم. چون ذوق شعر و سخن داشت، اغلب اوقات

هزار روپیه وجه پرورش متعلقان نصرالله بیگ خان قرار خواهد یافت، مرا خود شکوهٔ شمول حاجی خواهد بود. بخدا که فلان بیگ در پی آزار من است و اعانت خواهرزادگان را دست‌آویز ستم ساخته است! آخر روزی بود و روزگاری که فلان بیگ و شوهر خواهرش هردو در رسالهٔ نصرالله بیگ بیچاره نوکر بودند. اینها از سه پشت نمک‌پروردهٔ آبای منند و آن کافر غدار پس از مردن عم من پراگندهٔ چند را که فلان بیگ از آنان بود با خود گرد کرده نقد و جنس و اسپ و فیل و خیمه و خرگاه عم مرا پاک خورد. حالا برخی برای سیرابی بیان و لختی جهت پرکن صفحه حال اصل مقدمه شرح میدهم که جان من بلکه خوشتر از جان من، تا به دهلی رسیدم و از حکام مستدعی اجرای حکم صدر شدم، پدید آمد که نقل رپوٹ کولبرک صاحب موجود است و نشان حکم صدر در دفتر پدید نیست. حاکم خواهی از راه توجه، خواهی موافق ضابطه، خواهی برای اثبات صدق و کذب

خلت رقم دیده را آئینه‌دار جلوهٔ شاهد مدعا ساخت و عالم عالم اسرار در نظر آورد. اغلب که بعد ارسال این همایون صحیفه نامهٔ دیگر از اسد الله بنظر گزشته باشد. سخن این است که بار گرانی دارم اگر دوش همت نه دزدند و کریمانه این بار گران را کشیدن توانند، و دانم که چنین کنید، چه از کریمان روزگارید، حال آن دادکده و اوضاع اعیان آن گرامی محکمه درنظر دارم. حقا که همچنین است که رقم کرده‌اند. اما دردمند چه کند، اگر ننالد؟ ماتم‌زده جز مویه چه داند و مجروح جز مرهم چه جوید؟ حال پرنسپ صاحب میدانم که بدین معامله علاقه ندارند. لیکن چون از من و کار من پارهٔ آگاهند و در عهد حکومت خود مرا پیش نواب معلی القاب بجلالت قدر واشاعت استحقاق ستوده‌اند، دوستانه مکتوبی نوشته‌ام. خدایا، این قدر به ظهور آید که نامهٔ مرا فروگیرد و وکیل مرا بوکالت بپزیرد. آنگاه کارها انسب و امیدها فراوان. خدا را سعی باید کرد. و این خود از تنگ‌ظرفی من

سخن ازین عالم میرفت و مطلب هم گفته میشد۔
در آن روزها موقع این راز نه بود، چه مفسد سر
بشورش برنداشته بود۔چگونه پیش از مرگ واویلا کردمی؟
اکنون که گرد فتنه بلند شد، مرا چه که هیچ کس را
به داور راه نیست۔ گویند، حاکم آن میخواهد که اگر
مرا نوید استقلال از صدر رسد، بکارها گرایم۔باید دید
این تفرقه کی برخیزد و حاکم مستقل درین میانه
که باشد۔ ماجرای دادخواهی غالب بلاکش اینست
که بسبیل ایجاز و اختصار گفته شد۔

(۳)

جانی که الطف اجزای آن بتحلیل رفته و کدورتی
چون دُرد از باده و خاکستر از آتش وامانده است،
اگر به پای دوست افشانم، ترسم که پای نازنینش
رنجه گردد، و اگر آمادهٔ این نثار نکردم، در عالم وداد
شرمسار باشم۔ یارب، چکنم تا حق محبت گزارده
و سپاس عنایت بجا آورده باشم؟ مشاهدهٔ صفوت نامهٔ

فرستادن ورق کاف شمرده باشند». چون نامه کشودم و جادهٔ سطورش به پای نگاه پیمودم، دیدم که مخدوم اوراق اخبار را بالاستعاب در لفافه نشان می دهند و آن خود درین لفافه وجود ندارد. دانستم هنگام پیچیدن نامه، نوردیدن تمام اوراق از یاد رفته باشد. بارے حال دیده بمشاهدهٔ ورق آئینهٔ سکندر نورانی گردید و روانی عبارتش نظاره را نگوهرکشید. بیانهای خوش و خبرهای دلکش. مردم این دیار بسکه از نامعتمدی اخبار جام‌جهان‌نما ملول اند، ذوق درست باخبار ندارند. بالجمله که مرا سعی در رواج این اوراق بیش ازآن است که گفته آید، اما عجالتاً بر این مراد حیره نتوان شد. احوی صاحب قبله بطوع خاطر خریدار اوراق اند، بلك با من پیمان یکدلی بسته سعی در رواج اخبار دارند. معهذا برین مایه کوشش قانع نیستم. وثیقه‌های دگران نیز خواهم فرستاد. از حال معامله آنچه نگاشتهٔ کلك تمقدطراز بود، جهل مرا به پیرایهٔ علم آراست، اما نگرانی باین قدر آگهی از دل برنخاست.

است که خود را پیش شما سفارش می کنم، ورنه درحقیقت کار من کار شما ست. وانصاف بالای طاعت، اگر کار خود را کار شما نمی‌دانستمی، چگونه این سترگ رازها به شما می نهادم و خود را سراسر بشما می‌سپردم! رعایت این معنی باید داشت که هر نامه که از من برسد، آنرا بخوانید و بمولانا بنمائید و از هم بدرید و به آب و آتش افگنید. مطلب قدیم را به روشی جدید پیرایه اظهار داده نزد منشی صاحب فرستاده ام. آنرا بنگرید و بسنجید و به مغز کارها وارسید.

(پنج آهنگ، ۱۳۳)

(۵)

قبلهٔ حاجات،

دیروز که پانزدهم اکتوبر بود، قدسی صحیفهٔ مکتوبهٔ بست ونهم ستمبر با یک ورق آئینهٔ سکندر رسید. اما درآن لفافه اوراق اخبار را هرچند جستم کمتر یافتم. تنها ورق اشتهار بود، دیگر هیچ. گفتم: «مخدوم

مردم داده عالمی بر عرض و مال خود لرزان
است - خستگان را مرهم اسوارش جز بداروکدهٔ
صدر نشان نداده‌اند، چه در آن بارگاه حیف و میل
را روائی نیست، ورنه هرسو عیار فتنه بلند و آتش بیداد
تیز است - امروز که ۱۲ حوری است، جام جهان‌نما
آئینهٔ شهود این خبر گردید که در آن ناحیت
وبا شایع است - من که خیرخواه و دعاگوی دوستانم،
چگویم که چه قدر در اضطراب افتاده ام - امید آن دارم
که هرچه زودتر بدادگریهای من فرا رسید و نوید
عافیت خود و دیگر منتسبان و مخلصان خویش بفرستید،
تا خاطر مشوش را ذریعهٔ تسکینی خواهد بود - چون
مدتی است که ملازمان از راه شفقت و تعقد پارهٔ
از حال سرانجام کار این ستمزده نگارش خواهند
فرمود، در استدعا ابرام نکردم، تا بدرازنفسی و
خیره‌سری متصف نباشم شد - مخفی نماناد که روزی
در نگارش پاسخ این نامه جان بمرده و آب به تشنه
بخشیدنست، و گوزش من به هزار رنگ خم نمایم

(٦)

قبلهٔ من،

زمانهٔ دراز گزشته و می‌گزرد که بسواد گوهرین نامه دیده توتیائی نکشته - ازین پیش آنچه بحکم بیکس‌نوازی نوازش کرده اید، نقش نگین ضمیر است - خاصه همدرآن باب خار خاری دارم که محاسب خیال مدت رسیدن پاسخ را بپایان برد و هنوز رنگی از آن بهار پدید نیست - ماجرای من اینست که از داد کدهٔ این خلاف آباد خود را بیکسو کشیده نقش دیوار غمخانهٔ خویش گردیده‌ام - شمع امیدی در بزم خیال افروخته و چشم بدادگریهای حکام صدر دوخته دارم. چگویم که حکام اطراف چه هنجارها سر کرده‌اند و چه شیوه‌ها پیش گرفته! اگر روزگاری هم بدین نهج خواهد گزشت، خانمانها غرقهٔ سیلاب فنا خواهد گشت - خاصه اندرین دیار که عمائد روزگار غماری و نمامی اختیار کرده‌اند و حکام گوش رغبت بدین

وفا نشنیدم۔ خداوندا، اگرچه بدان نیرزم که نامه زود
زود باید نوشت، اما لطف گاه گاه دریغ نباید داشت۔
درین هنگام که دل بطرف حضرت مولوی صاحب
نگران و مژدهٔ صحت و خوبی جویا ست، فرمان داده
آید که غالب مغلوب مزخرفات خود را بنظر اعجاز اثر
درآرد جان پرورا، کجا آن روزگاران که دست
نوازش بر بر و دوش کلک رقاص کشیدمی و به
نیروی فکر پنجهٔ ارباب فن برتافتمی۔ حالیا با خودم
آویزشهای رنگ رنگ و فاقهٔ سخن سنجی تنگ
است۔ با اینهمه آتشم بی‌دود نیست زبانش دل در
خونابه‌فشانی است و ناخن فکر سرگرم جگرکاوی
غزلی چند که از تازگی اندیشه خبر میدهند، بتوقع
اصلاح رقم می‌گردد

(۸)

این نورش نامه ایست از عمدبده اسد بجناب
فیض مآب والی ولایت معنی، مولوی سراج الدین احمد
صاحب۔ عنوان گزارش مدعا اینکه نگارشنامه

بجناب مولوی صاحب قبله عرضداشتنی و سلام
و شوق دیدار بصد گونه مودت و وداد بخدمت
آغا صاحب گزارش کردنی است ـ فقط
(پنج آهنگ. ۱۰۹)

(۷)

بر ضمیر منیر قبلهٔ ارباب صفا پوشیده مباد
که پس از روزگاری بورود نامه شادمان گشته
سپاس عنایت باندازهٔ طاقت گزارده‌ام، و دل را
بسرمایهٔ امید محتشم ساخته ـ بالجمله ناسازی مزاج مولوی
صاحب قبله در تاب و بیم افگنده و دود از نهاد صبر
و شکیب برانگیخته است ـ شما و عم بزرگوار شما از
گرانمایگان دهر و نکوان روزگارید یارب، سلامت
باشید و دیر بمانید و جاوید گردید و از دهر نیکوئی‌ها
بینید و بپایه‌های بلند رسید! یاد می کنم آن
مهربانیهای شما که مرا بگوناگون پرسش و نوازش
نواختید و غم غربت و اندوه تنهائی از دلم ربودید تا
از شما دور افتادم، روی راحت ندیدم و سوی

دانست. مرا آنچه از گردش سپهر و ستاره پیش آمد،
این است که بتاریخ چارم مئی که با یازدهم ذیقعده
مطابق داشت، رپوٹ مقدمهٔ من بصدر روان شد. هی،
هی، چه رپوٹ و آن مقدمه! رپوٹی چون طرهٔ خوبان
خم اندر خم و چون حال دل‌بستگان درهم. از آنجا
که در آغاز داور را بر خویش مهربان شناخته‌ام،
شرم باد، اگر سخن دراز کنم و نوای شکوه ساز
کنم. اگر بنای امیدم را استواری پایهٔ تحریر صدر
نبودی، اعیان این دادگاه رخنه در بنیان وجودم
افگنده بودند، و زهر هلاهل بساغر مرادم کرده.
انصاف بالای طاعت، با این همه ناسازی زمانهٔ غدار مذاق
تحریر رپوٹ آنقدرها ناگوار هم نیست. غایت ما فی
الباب اینکه بار آوردن نهال مراد روزی چند دیر
خواهد کشید. منت ایزد را که عافیت بخیر است. دیگر،
مدعی ناانصاف که به کلکته در غیبت من گرد فتنه
برانگیخته و طرح بنای مجادله ریخته است، ندانم چه
زبونی در کار خویشتن دید و چه جواب زهره‌گداز

به جنبش نسیم ورود حبیب و کشادم راه به گل
انبساط. در رنگ در نگارش پاسخ لاابالیانه بود.
می‌خواستم که سرمایهٔ تحریری دست بهم دهد و برق آگاهی
از پرده بدرخشد. اکنون که جادهٔ مدعا طلبی بپایان
رسید، خامه بفرق شتافتن آغاز کرد و شوق هنگامهٔ
پاسخ‌نگاری ساز کرد. فیض رسانان نامهٔ نامی شما از
صحت وجود فائض الجود حضرت مولوی محمد جلیل الدین
خان آگهم ساخت. و حقا که پژوهندهٔ این خبر و
جویندهٔ این نوید بودم از من آداب زمین بوس
رسانند و عذر کوتاه‌قلمیها باز خواهند. امید که در
عرض یکدو هفته بخود آیم و خود را بذریعهٔ تحریر
ورا یاد خاطر عاطر شان دهم. دیگر همدران مشکین
صحیفه دعاگوی خود را مژدهٔ ایمای سرانجام خدمت
استغنا داده اید و وثیقهٔ که ذریعهٔ استغنا [illegible] بود، نه
فرستاده اید، اگرچه خود نیز از نفرستادن آن کاغذ و
وعدهٔ ارسال آن در روزگار آینده اشعار فرموده اید.
بهر رنگ از منتظران ایمای سرانجام خدمتم توان

از جهان رفتن خواهر عزیز. از آن گروه نیم که چون
از دوست جدائی روی دهد، رسم و راهش از یاد
برند و معاملات فراموش کنند. این مخدومهٔ مرحومه
همانست که تا در کلکته خبر ناسازیش رسیده بود،
دل شما از دست رفته و سراسیمگی سراپای خاطر
را فرو گرفته. در نظر دارم که مردنش بر دشمنان
شما چه قیامت گذشته باشد. توانا ایزد پاک شما را صبر
عطا فرماید و خورسندی دل و توفیق رضا ارزانی دارد
و این سانحه را در روزنامهٔ عمر شما خاتمهٔ مکاره و
مقطع مصائب گرداناد. وا رسیدم که جناب مولوی
صاحب قبله بعارضهٔ بواسیر رنجها کشیده‌اند، اما بفضل
ایزدی راحت ازان رحمت یافته‌اند. نیکی نوازیهای
آنقبلهٔ نیکوان در نظر دارم و دعا گوی حضرت او هم.
کورنش من باید رسانید و این بیت از جانب من
عرض باید داشت:

گرچه دورم از بساط قرب، همت دور نیست
بندهٔ شاه شمائیم و ثنا خوان شما

از بارگاه یافت که حالیا به خواهرزادگان خود نموده
است که من از فکر کار شما غافل نیستم، اما شما را
باید که نخست رجوع بسررشتهٔ رسیدگی مالی آورید
و صفحهٔ چون روی خود سیاه کشید و بدرگاه
رسانید، تا مرا سرمایهٔ آویزش بصدر تواند بود و بس.
نگارش این یک دو سطر محض بمراعات آگاهانیدن
شماست. و السلام.

(پنج آهنگ: ۱۳۴)

(۹)

دلنواز نامه پس از عمری رسید و عمری دیگر
بخشید، تا عمر به اندوه سپری شده را تلافی تواند کرد.
اما شاد کردن دلی که نهادش بغم سرشته باشند، نه آسان
است. منم که چون نامهٔ شما رسیدی، بیتابانه از جای
برجستمی و جهان جهان نشاط اندوختمی. اینک تا چشم
به سواد آن صحیفه دوچار گشته، جهان در نظرم تیره
و تار گشته نخست آنچه در نظرم جلوه کرد، خاطر
آشوب خبری بود که دل تا جگر خون ساخت، یعنی

(۱۰)

عمر من و حال من،

پس از رسیدن گرامی نامه در بند آن بودم که پاسخ‌گزار شوم و ماجرای خود را شرح دهم. دی که پانزدهم ذی‌الحجه روز دوشنبه بود، خبر رسید که مجموعهٔ مکارم اخلاق را شیرازهٔ وجود از هم گسیخت. خاک بدهم، مسٹر اسٹرلنگ صاحب بجان‌آفرین باز داد. کاش روی گداخته در روزنهٔ گوشم ریختندی و این خبر سامعه‌کوب نرساندندی! اکنون امید غمخواری از که بایدم داشت و دل را بخیال گردش چشم که تسکین داد؟ رپوٹی که جناب مسٹر فرانسس هاکنس بهادر در مقدمهٔ این کشتنی و سوختنی بصدر فرستاده است، چگویم که چه قدرها امیدگاه و اندوه‌فزای بوده است! تکیه بر کارسازیهای آن چابک‌خرام بیدای فنا داشتم. گرد فتنهٔ که مدعی ناانصاف در رهگذر مقصود من برانگیخته است، چگویم که چه مایه نظاره‌خراش و اندام‌فرسای بوده است! در پناه سایهٔ

آشکار شد که مخدوم مرا از علاقهٔ تازه خوشنودی نیست۔ هرآئینه انکشاف این معنی صحرا صحرا غبار ملال بر خاطر ریخت۔ خدا را، دلتنگ نتوان شد و کلکته را غنیمت باید دانست۔ شهری بدین پاکیزگی و بهار ستانی بدین خرمی در گیتی کجاست! حالت نشیبی آن دیار از اورنگ آرائی مرزبوم دیگر خوشتر۔ من و خدای من که اگر متاهل نبودمی و طوق ناموس عیال بگردن نداشتمی، دامن بر هرچه هست افشاندمی و خود را بدان بقعه رساندمی، تا زیستمی، در آن مینوکده بودمی و از رنج هواهای ناخوش هندوستان آسودمی! زهی هواهای سرد و خوشا آبهای گوارا! فرخا بادههای ناب و خرما ثمر های پیش رس! چنانچه غالب دهلوی گوید:

همه گر میوهٔ فردوس بخوانت باشد
غالب، آن انبهٔ بنگاله فراموش مباد!

(پنج آهنگ: ۱۳۶)

لفظی را بلفظی به پیوندم و گلدستهٔ تهنیتی فرا بندم
والسلام و هو خیر الکلام

(پنج آهنگ ۱۲۹)

(۱۱)

قبلهٔ من،

بارها بخاطر میگذرد که مگر مولانا سراج الدین احمد به کلکته رفتند، ورنه این قدر از من بیگانه گشتن و در عرض این مایه مدت به نامهٔ یاد نیاوردن چه امکان داشت. باز می‌گویم که اگر در واقع چنین است. چه بود که مرا آگهی ندادند؟ گاهی بدل می خلد که رعایت خاطر احباب فرموده اند و از من و حال من قطع نظر نموده. من و خدا که دل درین معرکه می‌ایستد و خاطر این اندیشه فتوی نمیدهد! متانت طبع و استقامت ضمیر و استواری عهد و صدق دعوی شما مرا ازین وسوسه باز می‌دارد. بالجمله حیرت‌زدهٔ اوضاع روزگارستم و کشتهٔ گردش لیل و نهار عرضداشت موسومهٔ جناب مستطاب

دست حمایتش آسوده می‌زیستم. اکنون از هر دو سو فلک بکام دشمن است. کو مقدمه و کدام رپوٹ!

از من خسته چه پرسی که چه حال است ترا؟
حال من حال سگان، این چه سوال است ترا؟

خدای را در پاسخ این نامه درنگ روا ندارید و حالها مفصل رقم فرمائید که آن والا گهر را چه روی داد و آن نونهال حدیقهٔ مردمی را کدام تند باد از پای افگند، و پس از وی سرانجام دفترکده چه شد و حایش که گرفت؟ آیا همان سیمس فریزر بهادر به سکرتری کونسل عالیه پای ثبات افشردند یا دیگری را بروی کار آوردند؟ دیگر آنچه ازین عالم بر شما پدید آمده باشد، کوته قلمی مکنید و هرچه زودتر بنویسید. اگرچه نامی نامه خبر از ترقیی که در حال خیر اشتمال مخدومی جناب مولوی خلیل الدین خان صاحب پدید آمده داده و درهای فردوس بر روی تمنا کشاده است، اما بخدا که سرو برگ آنم نیست که

زورق بطوفان بلا افگنده‌ام. هنوز خبر مقدم جناب نواب معلی القاب باورم نمی‌آید. کاش در زمرهٔ دادخواهان محسوب نبودمی، تا فارغ از بن کشاکش رستمی و خوش و ناخوش را یکدست دانستمی. چکنم که دل از غربده تنگ است و دستم زیر سنگ. از جملهٔ اخبار وحشت اثر یکی این است که بعض ثقات می‌گویند که جناب نواب گورنر بهادر پرنوٹ کونسلی قرار داده اند و رام موهن رای یکی از اجزای آن کونسل است. اگرچنین است برحال خودم خون باید گریست. شما هر ازین پرده خبری دارید. همه تن چشم خبرم، خاصه درمقدمهٔ خویشتن که مبادی آن بچه رنگ استوار بود و حالیا چه پیش آمد. گرفتم که بودن اسٹرلنك بهادر طرح این نادرستی ریخت. آخر مجموع صاحبان کونسل همان بودند که آغاز کار مرا پروار روائی داده‌اند. به سعایتی که حاکم دهلی دربارهٔ من کرد، چرا حکم سابق را فراموش کردند؟ الله درفائل:

مولانا حضرت مولوی عبدالکریم صاحب در نورد
نامهٔ موسومهٔ شما بنام فرستادم. امید آنم بود که جوابی
دل‌نوازتر از نسیم بهار خواهد رسید و طبع را خرمی
خواهد بخشید. ع: آنهم نشد میسر و سودای خام شد.
قطع نظر از کامیابی و ناکامی خویش حیران بیربطی
اوضاع دهرم و هیچ نمی‌فهمم که قاعده‌ها چرا برگشت
و رسم‌ها از چه واژگون شد. از دو ماه می شنوم که
مارٹن صاحب رسیڈنٹ حیدرآباد به رسیدنٹی دهلی مامور شده‌اند
و در دهلی هنوز گردی از مقدمش پدید نیست. عمائد قوم
حکام نیز خبر ندارند که آن صاحب مجهول الحال
کجا ست، و در آمدنش درنگ چرا ست دیگر خبر ندارم
که بعد مردن مسٹر استرلنگ بر دفتر خانه چه گذشت.
این قدر منقح شده است که هنوز سیمن فربرن به در
کار سکرتری می‌کنند و بس. خبر است که جناب
نواب گورنر جنرل بهادر در ماه اکتوبر به هندوستان
می‌آیند. سال گذشته رستخیز عجبی در اشخاص عمله و
منتسبان دفتر دیده‌ام. بالک همدران هنگامه من هم

مکسوف باشد برنگارید تا خاطر شکسته به تسکین گراید! و السلام۔

(۱۲)

قبلهٔ دیده و دل سلامت،

حیرتی داشتم که بمرگ ناگاه در گذشتن امیر جوان دولت جوان سال برای چیست و کارپردازان والا کدهٔ قضا و قدر ازین سانحهٔ بمرگ کدام نتیجه منظور دارند۔ حالیا حالی شد که بسیلاب فنا دادن بنای امیدواری غالب شوریده بخت می‌خواستند، و آن صورت نمی بست الا به ظهور این طوفان هوش‌ربا۔ توضیح این ابهام آن که فرمانده این خراب‌آباد که مسٹر فرانسس هاکنس بهادرش نامند، با جاگیردار فیروزپور عهد موافقت و مرافقت بسته، خواست که مرا بکشتن دهد۔ رپوٹی چنانکه خواست بصدر فرستاد۔ می سنجیدم که مرجع کار داور فرشته‌خوی حق شناس است۔ بچاره‌گری خواهد نشست و اصلاح حال رپوٹ خواهد کرد۔ قضا را، اتفاق چنان افتاد که

نا کامی و کامیابی ما بسته است

اسرار ادای بی روش مهر نجیم

نادر تر از هرچه گمان کرده شود این ست که امری که باعث تذلیل و تخریب اهلان نیک شده بود، یعنی رشوت ستانی، حالیا در عهد کسی که من کشته او یم، آن قدرها رواج دارد که بگفت و بیان نگنجد. حیرتم است که نواب لورنز بهادر چرا بدین سو توجه نمی‌فرمایند و خلق خدا را از چنگ این ظالم نجات نمی‌دهند. دیگر داغ تر می این اندام که احباب کلکته مثل نواب علی اکبر خان و مولوی ولایت‌حسن صاحب و رای رنسنگهه سیما جناب مرزا احمد بیگ خان از دو ماه سطری بنام من ننوشته اند. حالیا چکنم و قطع نظر از اعانت خبر از که جویم و چگونه دریابم که حال آن ناحیه چیست؟ زور من پیشما میرسد و شما را نه امروز بلکه از نخستین روز صاحبدل و روشن روان شناخته‌ام. برای خدا و بحق موذتی که میانهٔ من و شماست، رحم آورید و اجمالاً حالها آنچه بر شما

مندرجهٔ تحریر کرنیل مالکم صاحب که برد؟ من و خدا! اکنون از شش جهت در چاره‌جوئی فرار و عالمی را با خویشتن ناسازگار می‌بینم. خواسته‌ام که عرضداشت بنام نامی نواب گورنر جنرل بهادر بخدمت سیمن فرزر بهادر بفرستم، تا ترجمهٔ آن بکونسل بگذرد و صاحبان صدر حال مرا دریابند. اما درین امر عنایتی از جناب مولوی صاحب و قبله باید، تا کار روان گردد. چون می‌پرسم که در آن انجمن نیز بیدردی جگرتشنهٔ خون من است، امید که خدمت حضرت مولانا از جانب خود بعرض رسانید که اسدالله واجب الرحم است و استعداد غلامی و خدمتگزاری دارد. علی الرغم عدو سعی در آن باید فرمود که عرضداشت وی مترجم بخط انگریزی گردیده به اجلاس کونسل بگذرد، بلکه مبتدای حال او را پارهٔ بگوش صاحب سکریتر باید دهید، تا نامرادی را بیاد آرند و حستهٔ را بشناسند. فقط

(پنج آهنگ: ۱۳۰)

پنج روز بعد از رسید رپوٹ امیدگاه مرا اجل در رسید و چشم جهان بینش فرو بسته شد. انجام بر سر رپوٹ چه آمد. یاد خواهد بود که فرد ملتمسات روز وداع بداور سپرده آمده بودم و گزشتن آنرا به معیت رپوٹ می‌خواستم. آنهم هم چنان مطمور نشین زاویهٔ عدم ماند. چه دانم که در آنجا بخت بد با من چه کرد! این جا صاحب اسسٹنٹ رسیدنٹ مرا طلبید و گفت که مسٹر فرانسس هاکنس صاحب بهادر رسیدنٹ دهلی می فرمایند که تجویز کردیم و حکم دادیم که متعلقان نصرالله بیگ خان پنج هزار روپیه سالانه موافق سند گزرانیدهٔ جاگیردار فیروزپور، چنان که در ماضی یافته آمده اند، در مستقبل می یافته باشند. فرو رفتم و از حیرت جنون کردم که این بندهٔ خدا چه می فرماید. این پنج هزار روپیه را من خود به کونسل نشان داده و ازین مقدار ناخوشنودی خود ظاهر ساخته طالب فیصلهٔ جدید بوده‌ام. تجویز سابقهٔ کونسل را چه شد و فرماندهان صدر را چه پیش آمد؟ ده هزار روپیه

این عقده‌ها بردارد. نخست این که به تواتر پرتو این
خبر بنگاه کافهٔ انام نورآگین شد که دور حسابهٔ
فارسی با دور انگریزی توام گردید و خداوندی
این هر دو کده به مستر سوئنتین بهادر قرار یافت.
درین صورت جناب سیمن فریزر بهادر را چه پیش آمد
و وجود باجودش رونق کدامین بارگاه شد. دیگر
این که یکی از صاحبان والاشان می‌گفت که کرنل
املاک صاحب از جهان رفت. وای بر حال
میرزا ابوالقاسم خان و آغا محمد حسین! بیش از همه وای
به روزگار من که در کلکته فلان بیگ به آتش
افروزی سرگرم و من درین دیار بی فرمان روا
سر بسنگ میزنم و جان بناکامی میدهم! کس فغان مرا
می‌شنود. چگویم که از بخت خود چقدر گله‌مندم و
از هجوم اندوه چه مایه نژندم! خلقی سر آزار من دارد
و عالمی تشنهٔ خون من است. خدا را، اگر به کانپور
رسیده و به عشرت‌کدهٔ خویش آرمیده اید، حال
کلکته مفصل برنگارید! والسلام.

(۱۳)

قبلهٔ من،

تا شنودم که به کلکته رسیدید، خدای را شکر گفتم و سپاس ایزدی بجا آوردم. صفای عقیدت خودم را نازم که نرسیدن مودت‌نامه را بر بیگانگی و فراموشی گمان نکرده‌ام و شما را معاف داشته‌ام. گزشتن دادنامهٔ من به پیشگاه کونسل و طلب شدن اصل سند گزرانیدهٔ جاگیردار فیروزپور با دیگر حالات بر ضمیر منیر پرتو اعلان افگنده باشد، بلکه رسیدن آن سند و اندازهٔ تجویز دادگران نیز پیش از رسیدن این نامه به لمعهٔ نگاه ملازمان سامی فروغ آگین بوده باشد. از ادراک انتهاض نواب گورنر بهادر بتاریخ یازدهم اکتوبر به هندوستان و خرامیدن پرنسب صاحب به صیغهٔ سکرتری به رکاب نصرت‌انتساب حیرتی چند رو داده‌است که سرانگشت توجه ملازمان به کشایش

سر بسر خاطر نشان شد. دربارهٔ خویشم گمان آنست که محروم نباشم و نداد رسم، چه طالب ظهور حق حقیقی‌ام و دیگر هیچ. هر قدر تحقیقات میرود، ملایم مقصود و موافق مدعای من است. بخاطر خواهد بود که در آغاز کار دفتر سرکار را گواه گرفته‌ام؛ و حکام صدر چٹھی جناب مالکم صاحب بهادر را بسررشتهٔ ریزیڈنٹی دهلی فرستاده اند و مدار وجه پرورش مرا حواله بر آن تحریر دانسته اند. هر آئینه دانسته میشود که چون صاحبان صدر سند مرسلهٔ مدعیٰ‌علیه را نزد مالکم صاحب بهادر فرستاده‌اند، چٹھی مذکور را نیز بمعیت آن سند فرستاده باشند. و هرگاه حال چنین است، مژده مرا که داغم بمرهم و دردم بدرمان رسید. درین جا مشهور است که مالکم صاحب بهادر بولایت رفتند. همانا هنوز نرفته باشند. آنچه از جناب قبله و کعبه میرزا احمد بیگ صاحب مرقوم بود، آویزهٔ گوش هوش گردید. جناب عالی، حال از من پرسیدن و حکم موافق دعوی میرزا صاحب دادن معدمه از یک جانب

(۱۴)

قبلهٔ من،

رسیدن دلکشا نامه روان را به نوید بارگی بهواحت و درون را بنور آگاهی برافروخت. دانستم که بیکس نیم و کسی دارم. یارب سلامت باشید و جاوید بمانید! از جانب ملازمان و بی‌رونقی کارخانه‌ها گونه ملالی بخاطر راه یافت. ایزد بخشایشگر شما را که از نیکوان روزگارند، به پایه‌های بلند رساند و در هر گونه انقلاب که روی دهد، به نرمی کناره فائز گرداند! امید که ملازمان خوش و ناخوش دهر را وقعی ننهاده روی با خلق و دل با خدا دارند. من و خدا که هرگاه نظر بر کثرت مصارف جناب و حالات زمانه می افتد، دل برای شما می سوزد. خاصه وقتی که هرج و مرج این سفر که شما کرده اید، به نظر می سنجم. اما خدای را شکر می‌کنم که همعنان عافیت به آرامشکده رسیدند و رنج راه به سرآمد. دیگر حالات مندرجهٔ عنایت‌نامه

فلان استحقاق دارد و اسدالله حیف می‌کند و می‌خواهد که حق بپوشد و در اتلاف حقوق کوشد. حال آن که والله بالله ثم تالله چنین نیست، بلکه حق این است که حال حاجی فلان و فلان بیگ سراسر نگفته‌ام و مصلحت مرا از کشف این افسانه‌ها باز داشته است، ورنه حاجی فلان به خاندان نصرالله بیگ آن کرده‌است که یزید به آل رسول. تنها من نمی‌گویم، عالمی گواه این دعوی است. از دهلی تا اکبرآباد صد هزار کس درین جزو زمان موجود اند که میدانند آنچه که من می‌گویم. قصه مختصر. با این همه گمانها که از جانب فلان بیگ داشتم، دلم از مرزا صاحب نه رمیده‌بود. اما چون آن فلان بیگ رشوتی از خواهرزادگان خود برای خوبشتن بوسانید و در کونسل غبار فتنه برانگیخت و مرا این معنی درین دیار از خارج مکشوف شد، گفتم چه امکان دارد که مرزا صاحب بدین معاملات عالم نباشند و با وجود علم چرا آگهم نکردند. سخن نا امیدوار شدم و گفتم:

تجویز کردن است۔ و این معنی منافی قانون محبت است۔ نخست آن عرض کنم که مرزا صاحب را چقدر می‌خواهم و چه می‌فهمم، و پس از آن منشاء شکسته‌دلی خویش شرح دهم خدای من بهتر می‌داند و مرا به عظمت و جلال او تعالی شانه سوگند است که من بی تصنع و بی تکلف مرزا احمد بیگ خان را مثل نصرالله بیگ خان از آبای خود می‌شمارم و هرگز پیش مرزا درمیانهٔ خود و حامد علی فرق نمی‌کنم و هرگز امری که موجب توهم خاطر باشد، از جانب مرزا صاحب پیرامون خیالم نگردیده۔ این قدر دانسته‌ام که هرگاه من به کلکته بستم، در غیبت من فلان بیگ بخلوت و انجمن مطابق مقصود خویش سخنها گفته باشد، و گایندهٔ خواهر خویش یعنی حاجی فلان را درمیانهٔ احباب به بهای گران فروخته‌باشد و او را درنظر مردم به گرانمایگی ستوده‌باشد۔ و مرزا صاحب حکایتهای بی اصل او را باور داشته، اگر هیچ نباشد، این قدر خود گمان کرده‌اند که خواجه حاجی

فلان استحقاق دارد و اسدالله حیف می‌کند و می‌خواهد
که حق بپوشد و در اتلاف حقوق کوشد. حال آن که
والله بالله ثم تالله چنین نیست، بلکه حق این است که
حال حاجی فلان و فلان بیگ سراسر نگفته‌ام و مصلحت
مرا از گفتن این افسانه‌ها باز داشته است، ورنه
حاجی فلان به خاندان نصرالله بیگ آن کرده است که
یزید به آل رسول. تنها من نمی‌گویم، عالمی گواه
این دعوی است. از دهلی تا اکبرآباد صد هزار کس درین
جزو زمان موجود اند که میدانند آنچه که من می‌گویم.
قصه مختصر. با این همه گمانها که از جانب فلان بیگ
داشتم، دلم از مرزا صاحب نه رسیده بود. اما چون آن
فلان بیگ رشوتی از خواهرزادگان خود برای
خویشتن بستاند و در کونسل غبار فتنه برانگیخت
و مرا این معنی درین دیار از خارج مکشوف
شد، گفتم چه امکان دارد که مرزا صاحب بدین
معاملات عالم نباشند و با وجود علم چرا آگهم نکردند.
سخت نا امیدوار شدم و گفتم:

تجویز کردن است. و این معنی منافی مبانی محبت است. نخست آن عرض کنم که میرزا صاحب را چقدر می‌خواهم و چه می‌فهمم، و پس از آن منشاء شکسته‌دلی خویش شرح دهم. خدای من بهتر می‌داند و مرا به عظمت و جلال او تعالی شانه سوگند است که من بی تصنع و بی تکلف میرزا احمد بیگ خان را مثل نصرالله بیگ خان از آبای خود می‌شمارم و هرگز پیش میرزا درمیانهٔ خود و حامد علی فرق نمی‌کنم و هرگز امری که موجب توهم خاطر باشد، از جانب میرزا صاحب پیرامون خیالم نگردانده. این قدر دانسته‌ام که هرگاه من به کلکته نبستم، در غیبت من فلان بیگ بخلوت و انجمن مطابق مقصود خویش سخنها گفته باشد، و گایندهٔ خواهر خویش یعنی حاجی فلان را درمیانهٔ احباب به بهای گران فروخته باشد و او را درنظر مردم به گرانمایگی نموده باشد. و میرزا صاحب حکایتهای بی اصل او را باور داشته، اگر هیچ نباشد، این قدر خود گمان کرده‌اند که خواجه حاجی

(۱۵)

سراپای من فدای سراپای شما باد!

روزها ست که دلنوازنامها نمیرسد و مرا شکسته‌دل دارد - باری نواب همایون القاب بدین بقعه رسید و مرا از شکنجهٔ فرماندهان دگر وا رهانید - تفصیل این ماجرا در نامهٔ موسومهٔ احمد بیگ خان صاحب که در آن نورد نیز روی سخن بطرف شماست، نگارش رفته - غالب که حالی رای عالی شده باشد - اما آنچه نوشته شده است، راز است و آنچه نوشته میشود، راز است - آنچه رقم گشته است، اخبار است، و آنچه رقم می‌گردد، استخبار است - پیداست که کارافتاد آسیمه‌سر به اخبار نشکیبد و همه در استخبار آویزد - التفات نواب جهانیان‌مآب خبر از توجه اعیان کونسل میداد - همانا که اگر حق من بکونسل عالیه ثابت بودی، جزو اعظم کونسل بسوم از مهر ندیدی، و بحال زارم این مایه نپرداختی - خدا را، سعی در آن فرمایند که رازها دریابند و مرا بیاگاهانند - آخر ترتیب کاغذ

دل بر جفا نهم که بجز صبر چاره نیست
اکنون که دوست جانب دشمن گرفته است

لله الحمد، مرد صادق القولم و دلم با زبان در هر گفتار موافق است - هم پایهٔ محبت و ولای خود را با میرزا صاحب آنچه بوده راست راست عرض کردم و هم شکوه که در ضمیر داشتم با گمانی که بود بی کم و کاست شرح دادم - حالیا اگر به کیش مهر و وفا بزه کار و مجرم باشم تعزیری و اگر شائسته رحمتی، برایم نوید عفو تقصیری - حال من سراسر بخدمت میرزا صاحب گذارده عرض میتوان کرد که والله شما را عم حقیقی و بزرگ معنوی خود میدانم، و گلهٔ من از دو رنجی نامه نیست، بلکه آشفتهٔ آن خیال و فرورفتهٔ آن گمانم - و بخدا که هرگاه در نفس شکایت نظر خواهند فرمود، یکدلی و صاف باطنی و پاک طینتی من بیشتر از پیشتر جلوه گر خواهد شد - زیاده نیاز -

(پنج آهنگ ۱۳۳)

انصاف بالای طاعت، و بقیهٔ از حسب تبا بر بیاورده ام
و دست‌آویزی شامل دادنامه بکونسل نه گذرانیده‌ام.
حالا بر آن سرم که اگر حکام چشم از حق بپوشند،
گدایانه بدان در رسم و درد دل بدان زمزمه فرو ریزم
که مرغان هوا و ماهیان دریا را بر خود بگریانم.
انموذجی از خبرهای هرزه بطریق نقش رقم می‌گردد
که نواب معالی القاب کواغذ مقدمهٔ مرا از سررشتهٔ
رسیڈنٹی با خود برده کواغذی را که در سررشتهٔ
صدر فراهم بوده است هم ازان سررشته طلب
کرده شد. فرموده بودند که بعد از رسیدن کواغذ
از کلکته و ترتیب مثل حکمی مناسب داده نقل آن
حکم که از سررشتهٔ خاص بدادخواه فرستاده خواهد شد
و ظهور این همه مراتب بتاریخ دهم دسمبر بوده
است. تا امروز که پانزدهم مارچ است، رنگی از پس
پرده ندمیده است که بیرون توان داد و خبری از
لشکر نرسیده است که بار توان گشت. یارانی که در
لشکر اند این قدر هم نه کرده اند که خبر رسیدن کواغذ

و روانگی آن به لشکر از آنعالم نیست که بر متنفس پوشیده تواند بود. شنیده میشود که لشکر به بجی پور نخواهد رفت و یکدست به اجمیر خواهد شتافت. صافترك این که گویند گورنر بهیئی در آنجا میرسد و این دو تابنده اختر سپهر جهانداری در آنجا قران گردیده و این مجوزهٔ جدیده را به امعان نظر خواهند دید و باتفاق همدیگر اجرای آن بند و بست خواهند فرمود.

(١٦)

سلامت باشید و دیر بپائید،

محسن من اگر به ازای هر عنایت مجدی بتقدیم رسد و براخور هر مهربانی سپاسی سرانجام داده آید، سخن هیچگاه منقطع نشود و مآرب دیگر را گنجائش اظهار نماند. لاجرم این گفتگو را از کام و زبان بدل و جان سپرده‌ام، و خود را از شما دانسته ام عمر من و جان من، به عمر خود و جان شما که مقصود من ازین ناله‌فرسائی و عربده‌آرائی ظهور حق حقیقی است، نه گرد آوردن زخارف دنیوی.

دیگر و لیم فرزر بهادر صاحب کمشنر دهلی به عطای خلعت مفتخر و بخطاب مدبر الدوله انتظام الملك صفوت یار خان وایم فریزر بهادر صلابت جنگ مخاطب شد. گویند رسیدنثی دهلی بـه کمشنری دهلی مفوض گردید. اکنون این دو کار هم بدین یك صاحب عالی‌شان تعلق دارد. عملهٔ رسیدنثی بدستور است. تخفیف و تفرق تا دم تحریر به میان نیامده. شهرت دارد که تعلق راجه‌ها به صاحبی قراریافت که در اجمیر است، آن هم بروشی که شنوندگان درآن امر فرو ماندند. یعنی مهاراجه را متعلق به اجمیر نشان میدهند و از باقیماندگان برخی را بدهلی نام می برند. و جماعت آنانند که مردم در حال شان متردد اند؛ نه متعلق بـه دهلی میدانند و نه بجانب اجمیر میرانند. دیگر خبر است که نواب عالی جناب بتاریخ چهاردهم مارچ در متهرا رسیده امروز پانزدهم مارچ همدران بقعه آرمیده‌اند، و فردا که شانزدهم مارچ است کوچ می‌کنند و منزل به منزل می‌خرامند، و بتاریخ

و ترتیب مثل دادندی، چه جای آن که مژدهٔ قبول و نوید توقع در ستادندی۔ اخبار پراگندهٔ این مرز بوم آن که مارلس بهادر سپه سالار بدهلی رسید و بیرون کشمیری دروازه بمیدانی که خیمه گاه نواب گورنر بهادر شده بود، فرود آمد و دهم مارچ روز شنبه این سه کس بملازمت شاه دهلی رفتند، بارلس بهادر سپه‌سالار ممدوح و مایم مارٹین بهادر ریذنٹ دهلی و واہم فریزر بهادر کمشنر دهلی۔ از آن جمله سپه سالار به عطای خلعت و ماهی مراتب و نوبت و غیره لوازم سپه سالاری مباهی شد، و محتشم الدوله سیف الملوک خانعالم خان بهادر سپه سالار سر اڈوارڈ بارلس بهادر شجاعت جنگ خطاب یافت، و فردای آن که یکشنبه بود، به میرٹهه رفت۔ دیگر ولیم مایم مارٹین بهادر خلعت شش پارچه و عطر و پان بطریق رخصت یافت و پدرود شد۔ دیروز یکشنبه وقت شام در ڈاک پالکی نشست و به اندور خرامید۔ گویند به احنٹی اندور مامور گشته۔

ژاژ چه خایم و هرزه چه سرایم؟ یارب، رائی که من زده‌ام و سر رشتهٔ که من تافته‌ام، خرد روشن و اندیشهٔ درست شما بر آن را به خجستگی به پذیرد. جناب من، امروز آدینه سیزدهم اپریل است فرصت نامه‌فرسائی و انصراف کاغذ و روشنائی و مهلت انشاآرائی بخود یافته‌ام که به تحریر سخن صفحه‌پرکن سر قلم را بدرد می‌آرم و روی صفحه را سیاه می‌کنم. مخفی مباد که نواب معلی القاب بتاریخ ۲۶ مارچ درین دیار رسیده درون شهر به کوٹهی رسیڈنٹی ورود آمده اند، و بعد دو روز لشکر و بازار لشکر را رشتهٔ جمعیت از هم گسسته مردم را رخصت انصراف داده اند. مولوی محسن صاحب دو شبانه روز غمکدهٔ راقم را آرامشگاه داشته کاشانهٔ درحور گنجائی خویش بجوار کوٹهی رسیڈنٹی بکرایه گرفته اند و در آنجا ورود آمده اند. حال من این که از اهل دفتر پدید آمد که پرسپ صاحب بهادر حسب الحکم حضور کاغذ مقدمهٔ غالب

بست و چهارم مارچ بدهلی می‌رسند. ندانم ازین بار آمدن مقصود چیست. گویند درین وهله بشاه دهلی خواهند پیوست و غبار ملال طرفین فرو خواهد نشست. دیگر گویند که نواب عالی جناب دو سه روز به دهلی قیام خواهند ورزید و بداد بی انتظامی ملك خواهند رسید و بناهای تازه خواهند نهاد و حکم های مناسب خواهند داد و قاعده‌های جدید برای راجستان قرار خواهد یافت و حاکم داران عهد جرنیل لارڈ لیك بهادر به شکنجهٔ محاسبه کشیده خواهند شد. باشد که درین میانه خون خوابیدهٔ من نیز بیدار گردد و کار دادخواهی من بهٔ هنجار گردد.

(١٧)

ایم جانی که دارم فدای سراپای شما باد!

دوتا نامه در ڈاك یی‌ء هم فرستادم. در نخستین ورق بنای تدبیری نهاده در دومین صحیفه آن اساس را استواری داده‌ام. چون کارها بشما سپرده‌ام و چاره را از من تواناتر و کار را از من داناتر ایدهٔ

بورزید که حامدعلی جوان گشتی و کارها به اندازهٔ دانش وی روان گشتی؟ ویحك، این چه ژاژ است که می خایم و این چه داستانست که می سرایم! «اذاجاء اجلهم لایستأخرون ساعة ولایستقدمون». من و ایمان من که بی‌ربطی اوضاع سرکار آن مرحوم با وجود این همه بعد مسافت پیش نظر دارم. و می نگرم که محمدعلی‌خان خرد سال است و باشد که به حقیقت سرمایهٔ پدر دانا و بفراهم آوردن رمهای پراگنده توانا نباشد. و باشد که چون آن سرمایه بچنگ آرد. بر فرودستان خود ستم کند و برادران را ناکام و ضائع گزارد هر آئینه دراین حال امینی باید هوشمند و حق شناس که گرد چاره برآید و غمخواری بی‌پدر ماندگان بعهدهٔ خود فرا گیرد و به هنجار عدل و امانت در این وادی گام زند وهیچ کس از احباب متکفل این مجموع مراتب نتواند گردید الا آن که به میرزای مرحوم از خویشاوندان ریگانگان باشد. گمان دارم که منشی امیر صاحب

مستهام بر یک دیگر اندوخت و شیرازهٔ جمعیت بست.
اما هنوز آن اوراق گلدستهٔ طاق فراموشی است.

(۱۸)

قبلهٔ حاجات و کعبهٔ متمنیاب سلامت،

والانامه رسید و خبر فراق دائمی مرزا احمد رسانید. سبحان الله، چه مایه سنگین دل و سخت جانم که نامه در تعزیت مرزا احمد انشا می‌کنم و اجزای وجودم از هم نمی ریزد. می‌گفت که به دهلی می آیم. وعده‌فراموش بی‌مروت راه گرداند و ناقه بسر منزل دیگر راند. گرفتم، خاطر دوستان عزیز نداشت. چرا به خردسالان خود نه پرداخت و سایه از سر شان باز گرفت؟ وای بی یاری یاران وی! دریغا بی پدری پسران وی! هرچند از مرگ نتوان نالید و گسستن تاروپود پردهٔ هستی را چارهٔ نتوان کرد، اما انصاف بالای طاعت، هنوز هنگام مردن مرزا احمد بیگ مغفور نبود. چرا این قدر صبر نکرد که به کلکته رسیدمی و روی نظاره‌فروزش را دگر بار دیدمی. چرا آمایه توقف

موسومهٔ شما سپردم و گفتم که چون شما نامهٔ بمیرزا
نفرستید، این نامه را همدران نامه فرو پیچیده روان کنید.
پس از روزی چند عند الاستفسار پدید آمد که
حکیم صاحب به خواهر میرزا حال بیماری میرزا
هم نگفته اند تا به پرسش و عیادت چه رسد. و چون
خود نامهٔ بمیرزا نفرستاده اند، مکتوب مفوضهٔ شما را که
بنام سامی شما بود که می رسد بخون تپیده و از بیم این که
شما این روسیاه را کوته قلم و بی پروا خواهید انگاشت
برخود لرزیده می خواستم که ورق دیگر چون روی
خود سیاه کنم و جدا گانه بشما نفرستم که ناگاه
بتاریخ یازدهم شوال روز پنجشنبه وقت صبح که از
بستر خواب برجسته همچنان روی ناشسته نشسته
بودم، برید ڈاک رسید و نامهٔ شما بمن داد دلم از هیبت
ورود آن نامه خود بخود بلرزید. گویا در ضمیرم
افگندند که میرزا احمد مرد. ترسان ترسان نامه را
کشودم و دیدم آنچه دانسته بودم. الله بس، ماسوا هوس!
بسامی خدمت میرزا ابوالقاسم صاحب سلامی که غمزده به

از بهر تعهد و تکمل سزاوار اند، چه با مادر حامد علی خان گونه قرابت سببی دارند چنانچه بر شما پوشیده نیست، میرزای مرحوم دانشمند و کارشناس کسی بوده است. غالب که معتمدی را وصی ساخته و کارها بکف کفایت امینی سپرده باشد. خدا را نظر بیکسی این جماعت در نظر باید داشت و غافل نباید بود. والله که غمخواری بازماندگان احمد بیگ خان عین فرض و فرض عین است هم بر شما و هم بر مرزا ابوالقاسم خان. ایزد توانا والدهٔ حامد علی خان را شفا کرامت فرماید و بر سر پسران بی پدر سلامت دارد! بحکم قاسم خان و خواهران مرزا احمد بیگ خان چار نا چار خبر فرستاده شد. در صورت بیماری کدامی رسم عیادت بجای آورده‌اند که درین حال مدارج تعزیت بتقدیم خواهند رسانید. حقا که مهر و آزرم در نهاد مردم دهلی نیست. نامهٔ که مشعر ناسازی مزاج میرزا بمن فرستاده بودند، جوابش رقم کردم و خود نزد حکیم صادق علی خان رفتم و نامهٔ

«خان صاحب مخدوم و مظهر اشفاق» یاد آورده و القابی که مرزا می‌نگاشت به تحریر درآورده- هیهات هیهات! «عرفی، چه نشستهٔ که یاران رفتند»- بجان عزیزت که دنیا بر دلم سرد و دلم بر فقر و سیاحت گرم گشته است. بکمین آنم که چون این داوری قطع گردد، یکباره از بند جهم و بی سروپا گرد عالم برآیم و تا زیم تماشائی آثار صنع الهی باشم-

هر لحظه دل بسوی بیابان کشد مرا
آب و هوای شهر بمن سازگار نیست

الله موجود، ماسوا معدوم!

(۲۰)

ملا ذا مطاعا،

روز شانزدهم بود از ماه مئی و وقت بر افروختن شمع و چراغ که چپراسئی رسید و نامهٔ اجنٹ بهادر بمن داد- چون بمیزان نظر سنجیدم، گران تر ازان بود که آن را شاهنامه توان گفت- باری عنوانش از هم کشودم و دیدم که نامهٔ جناب ولیم

غمدیده رساند و پیامی که ماتمزده بماتمزده فرستد، میتوان رسانید. و کریم خان صاحب را سلام باید گفت و از جانب من بعد سلام بسیار باید پرسید. پس از اظهار سوز و گداز خاطر که آنهم از آثار بیصبری و مقتضیات بشری است، سخن در حال روزگار رانده می شود و بعد از شرح غم مرگ افسانهٔ اندوه زندگی گفته می شود. سبحان الله، عمر مستعجل و مرگ در کمین و فرصت موهوم و بقا اندك و دل پر از هوس و سر پر از هوا وما از اجل غافل! الله الله الله

محررهٔ پانزدهم مارچ روز پنجشنبه.

(اریخ آهنگ: ۱۳۰)

(۱۹)

جان من فدای شما،

از شما آن می خواهم که حال حامدعلیخان و دیگر فرزندان مرزا احمد بیگ مغفور رقم کنید. حامدعلیخان نامهٔ بمن فرستاده است که جز ناله و فریاد هیچگونه حال خود و والدهٔ خود ننگاشته. وطرفه این که مرا به

هم دل از اندوه خود سوخته و هم جگر از درد دوست برشته. والسلام. بمنشی نصرالله بعد سلام باید گفت که انشاء الله العظیم، اذا جاء نصرالله والفتح نقش نگین شما می‌گردد.

(پنج آهنگ: ۱۴۸)

(۲۱)

قبلهٔ بنده،

عمرهاست که بورود دلنواز نامه جانی تازه نیافته‌ام. ندانم بکدامین جرم مردود آن نگاه حق شناس شده‌ام. لطف و عتاب آئینه‌داران التفات اند و به مذاق ارباب مودت از همدگر گواراتر. اما این که از ملازمان نسبت بخویشتن مشاهده می گردد، تغافل است و متحمل جفای تغافل نتوان شد الا با دلی چون کوه و من این عطیه از قسام ازل نیافته‌ام. ندانسته اید که برمن درین روزگاران چه گزشته و خارخسکم با کدامین شعلهٔ سوزان روکش گشته است. اگرچه شما از شنیدن فارغ اید، اما

بهادر در نورد آنست. مضمون نامه احنث بهادر این که خط صاحب سکرتر بهادر همراهی حضور میرسد، شارح کیفیت انفصال مقدمه خواهد گردید. مضمون خط صاحب سکرتر بهادر این که تجویز هاکنس صاحب منظور و مهر و دستخط کاغذ گذرانیدهٔ جاگیردار فیروزپور نامصرح و ناممکل. لله در قائل! «درخاندان کسری! این عدل و داد باشد». شبی که این شگرف نامه بمن رسید، بامداد آن سامعه‌گزا گردید که مولوی طاهر علی بجرم خفیه‌نویسی ماخوذ و تا زمان تجویز پاداش محبوس شده اند. تا رفته رفته کار بدان رسید که اخبار بوقلمون گردید. دهلویان حسدپیشه چون مرا مخلص صادق الولای مولوی دانستند، رنگ آن ریختند که در هر روزی دو بار سه بار پراگنده گوئی نزد من آید و آنچه خواهد از پیش خود نتراشد و بیان نماید. بعد از دو هفته پدید آمد که لارڈ صاحب نظر به ناخوشنودی خویش از خود جدا کردند و معزول ساختند و رخصت انصراف بوطن دادند.

بنام مرزا احمد بیگ خان

(۱/۲)

دل بدرد آمدگان را از ناله و فریاد منع نتوان کرد و ماتم‌زدگان را از سینه‌کوبی باز نتوان داشت مرا که دل از بی مهری‌های شما بدرد آمده است، از ناله و فریاد چاره نیست؛ و چون بدرد تغافل جان داده در ماتم وفا نشسته ام، سینه خواهم کوفت، اگرچه سنگ‌خاره نیست. منم که چون دو هفته گذشتی و کتابتی از جانب شما و مولوی سراج الدین احمد نرسیدی، جگر بدندان گرفتمی و از خود رفتمی. همان شمائید و همان مولوی سراج الدین و همان این دردمند اندوه گین. ششماه است بر حاشیهٔ مکتوب دگران بسلامی یاد نکرده اید، تابه نامه و پیام چه رسد. نارسیدن نامه از جانب من نه از آن روست که در ترک وداد پیرو شما بوده باشم، و نه از آن روست که من آنقدر در غم و اندوه فرو رفته باشم که یارای نفس کشیدن و

من از گفتن فراغ ندارم. «بشنود ور نشنود من گفتگوئی می کنم». دیدهٔ دیدارطلب در هوای دیدن در پریدن و دل بیتاب از تلواسهٔ مهاجرت در تپیدن شوق دیدار را چه گویم؟ مردم دیده به پای قلم افتد از شوق که مرا نقطهٔ حرف کن و در نامه نویس. از روزی که آن مهربان رونق‌افزای آنصوب صواب شده اند، محروم القسمتان مواصلت را در هاویهٔ مفارقت گذاشته‌اند. شکر احسانات سامی چه گویم، که هر روز در محفل تصورم قدم رنجه نموده؛ و از ندامت خود چه نویسم، که گاهی بهره‌اندور مجلس خیال گرامی نبوده.

شرمندهٔ احسان تو ام کز سر الطاف
هر روز قدم رنجه نمائی به خیالم
من عذر ز تقصیر خود، ای خواجه، چه گویم؟
گاهی به خیالت نه رسیم، وای به حالم!

زیاده شوق است و بس.

(پنج آهنگ: ۱۴۷)

انصاف شرط است که هرگاه ماه ها بگزرد و از اخبار احیار شما و دیگر دوستان بی خبر باشم، چگونه نرنجم و چسان گله مند نباشم. امروز تازه حالی بمشاهدهٔ اوراق جام جهان نما روی داده که صبر بر آن بی آبروئی نتوانستم کرد. غالب که شما هم در آن اوراق نگرسته باشید. والله بالله ثم تالله، آنچه از حال من مسکین درآن ورق مندرج است، همه کذب و بهتان و گزاف است. خواجه رحمت نام ولد الرسائی از ساده وبچه گان بریلی که مرد ساحر فتنه پرداز است، شمس الدین خان را به افسون و افسانه رام خود ساخته و آنچنان در دلش فرو رفته است که شمس الدین خان را از حلقهٔ فرمانش راه برون شد نمانده است. گویند گان را به زر و افسون فریفته هر خبری که می خواهد به اطراف میفرستد. خلاصه اینکه خطی موسومهٔ جناب راے سدا سکهه صاحب در نورد این نامه میرسد و همچنان عنوان کشاده است. امید که نخست آنرا خود بخوانند، آنگاه به راے صاحب بسپارند. هرچه هست

حرف زدن نداشته باشم. سپاس گزار خدای دادگرم که به این تن لاغر دلم را فربهی و نومیدی بخشیده است که اگر فی المثل دو عالم برهم خورد، از حال خویش بر نگردم؛ و به این همه در وفاداری آن مایه ثابت قدمم که اگر سر برود، پایم از خط جادهٔ مودت نه لغزد. باری خدا را بگوئید که شما را چه در دل گذشت و مولوی سراج الدین راچه پیش آمد. مگر دانسته بودند که رجوع اسد الله با من معلول آنست که من از اعیان دفتر کونسلم، یعنی از روزیکه زینت بخش پیشگاه صدر عدالت شده اند، گاهی نشده است که مرا بیاد آرند یا نامهٔ بنوازند. عجب تر از هرچه هست آنکه شمارا چه بر آن داشت که از پرسش من رو بگردانید. خوب است که فلان بیگ زنده نیست، ورنه خونها خوردمی، هم خود از شما رنجیدمی و هم شما را از خود آزردمی. اما این معنی تنها برای شما بودی و جناب مولانا سراج الدین احمد را درین داوری برکناره داشتمی. قطع نظر از مراتب شکر و شکایت

(۲۳/۲)

قبلهٔ من،

شکوه پایان نداشت و گله گران پذیر نمود. رفتم و به روزگار درساختم. تازه اینکه فرمانده دهلی مرا طلب کرد و بزبان گهرفشان فرمود که فرماندهان صدر قرار داده اند که متعلقان نصرالله بیگ خان همین یابند و همچنین باشد در مستقبل که در ماضی یافته اند. هرچند وقوع این امر مکروه مستوجب هزار گونه اندوه و ملال است، اما بخدا که دل آزادهٔ من بهیچ سو مایل نیست، و از عدم حصول مقصود نرنجیده ام. لیکن غم اینم میکشد که این چنین اتفاق در کونسل کم افتاده باشد که تجویز سابق را بدینگونه برهم زنند. آری فرمانده دهلی در آغاز بر من مهربان بود و آخر آخر سعایت اعدا کارگر افتاد و جانب دشمن گرفت و بامن سرگران شد. سند گزرانیدهٔ عدو را برا هالیء صدر بصحت و متانت جلوه داد و جوابی

بخواندن مکتوب موسومه رائے صاحب و رقعهٔ که لفیف اوست، سمت وضوح خواهد یافت۔

حضرت اکبرشاه از روز رحلت فلان بیگ به انواع عوارض مبتلا بود۔ دی روز که چهارشنبهٔ آخریء صفر بود، غسل صحت کرده اند۔ اما ناتوانند و دماغ شنیدن ملتمسات ندارند۔ مطلبی که مکنون ضمیر حضرت مخدومی است، به اعتقاد بنده ممکن الوقوع نیست۔ چه کلید عقل سوهن لال است، و او یکی را از برادران خود میخواهد که بسفارت قرار دهد، و مدعای خودش نیز به حصول نمی رسد، تا به گفتگوی غیر چه رسد۔ امید که بخدمت مولوی سراج الدین احمد صاحب آداب تسلیم رسانند۔ و اگر ممکن باشد و دشوار نبود، دوسه سطر بدستخط خود شان بر کاغذی نویسانیده در نامهٔ خود درو پیچیده روان کنند۔ هی هی، چه میگویم! خود از کجا دانستم که جناب مرزا صاحب بمن نامهٔ خواهند نوشت که در آن نامه مکتوب حضرت مولوی صاحب در نوردیده شود۔

دیگر از آن مخدوم توقع آن دارم که اختی از حال کونسل رقم کنند. گویند که ولیم بیلی صاحب بولایت و متکف صاحب به بنبئی میروند و برای دهلی حاکمی دیگر قرار یافته است. ازین عالم هرچه پدید آید، بفقیر بر نگارند و برای خدا در نگارش جواب نامه مساهلت نفرمایند. نیمهٔ محصول ڈاك بسر کاران این دیار داده و نیمهٔ بر آنجا حواله کرده شد. روز روانی این نامه سه شنبه و دوازدهم شوال.

($\frac{۲۴}{۳}$)

کعبهٔ من،

فرمان شما برجان و دلم روانست. بهرچه گوئید، بسر شتابم و بفرق پویم. اما شما از شیوه های مردم دهلی آگه نیستید. چندانکه جهد در ادراك حالات میکنم، مردم از من میرمند، بلکه از شما بدگمان می شوند و می پندارند که مرزا احمد بیگ خان اسد الله را از جانب خود بر آن گماشته اند که رفته رفته در مجموع امور

که من داده بودم و دو ورقه چون نامهٔ اعمال ستمگران سیاه بمحکمه رسانیده بودم، شامل رپوٹ نفرستاد و مقدمهٔ من از یك جانب به کونسل بجو بر شد. رنجم ضایع گردید وکارم نباه. منت خدای را که نامرادی و ناکامی بر من آسان است. اما برخی از خندهٔ عوام و ملامت خواص آزار میکشم و آنهم می گذرد.

در طور گر امروز ز موسیٰ اثری نیست
فرداست که از طور هم آثار نماند

امید که پارهٔ از رنج بر خود گوارا کنند و بر من شفقتی چند فرمایند. نخست اینکه مکتوب موسومهٔ راے سداسکهه صاحب را سراسر به تامل بنگرند و بمکتوب الیه رسانند و سعی فرمایند که قطعه بقالب طبع در آید و شهرت گیرد و به زبانها افتد. دیگر نامهٔ نامزد جناب سفارت پناهی نیز سراپا نگرسته بنظر شان بگذرانند و در طلب پاسخ چندان ابرام نفرمایند. اگر بدست آید، در ورود عنایت نامه بفرستند.

پاسخ نگزارده بودم که امروز که چهارم سپتمبر و ندانم چندم ربیع الاول است، نامهٔ از نزد قبلهٔ صورت و معنی مولانا سراج الدین احمد صاحب رسید و به انکشاف حال ناسازی مزاج مبارک اندوهها کم ساخت. چون همدرآن دلکش رقیمه طراز حرف و رقم داشت که حالیا بحسن تدبیر قبلهٔ نیکوان حضرت سید احمد علی خان پارهٔ افاقتی و امید فراغتی دست بهم داد، و الله که هم بقدر آن افاقت مراهم از هجوم الم فرصتی بوده است. برای خدا از من زار نظر قطع نخواهید کرد و زود نوید صحت خواهید فرستاد که زین پس در انتظار ورود نامه روز خواهم شمرد. در نامهٔ که حکیم صادق علی خان بمن رسانیده اند، انقطاع علاقهٔ هوگلی و عزم انفکاک سررشتهٔ جهانگیر نگر و ملال از کلکته و احرام دارالخلافت دهلی مرقوم بود. هرچند ورود ملازمان به دهلی سرمایهٔ جهان جهان طرب است، اما ملول بودن از کلکته چه غضب است. و الله که دهلی شایستگیء آن ندارد که آزادهٔ در وی خاکنشین تواند

دخل و تصرف کند۔ خدا را خود را بدنام و مرا رسوا مکنید۔ خردمند را باید که اگر فی نفس الامر دریئ امری باشد، خود را چنان فارغ و لاابالی وا نماید که کس از رازش آگاه نه گردد، نه که مثل شما صاف دل و فارغبال گردد، و با وصف بے طمعی و آزادی خود را در نظر مردم اخاذ و طامع قرار دهد۔ مدعا این که برین گروه گمان مصادقت مکنید و جمله را از خود متوحش و از مخلصان خود بیمناک انگارید۔ اگر شما را عزم رسیدن این دیار است، خوش باشید۔ هرگاه که خواهید آمد، برای العین خواهید دید۔

(۲۵/۴)

تنت بناز طبیبان نیازمند مباد
وجود نازکت آزردهٔ گزند مباد

قبله و کعبه،

روزی چند ازین پیش قدسی صحیفه بتوسط حکیم صادق علی خان صاحب بمن رسید۔ هنوز

اند، اما بیکس نگذاشته و برگزیدگان ازل را به غمخواری من گماشته. هرچند خاطرم جمع بود که هرگاه مرشد زادهٔ والا تبار مرتضوی نهاد، نقش سجدهٔ آستان قبله و کعبهٔ کونین، حضرت مولوی کرم حسین، از جبینم خواهد نگریست، سرم از خاک خواهد برداشت و مرا ضائع نخواهد گذاشت. اما انصاف بالای طاعت، اگر به استدعای این سپارش زحمت اوقات صفات ندادمی و فی المثل صد عود دست نامه پیء هم فرستادمی، بپاسخ یکی ازان چشمم روشن نگشتی و خیالم یکره بخاطر عاطر نگذشتی. حال تقرر پنشن پیش ازین حالیء ضمیر عقیدت تخمیر شده است. حیرت این معمی گریبان گیر دل و دامن کش خاطر فاتر است که ایدون قبله و کعبهٔ مرا در کلکته اقامت از چه راه است، مانع نوازش اهل وطن کیست، و وجه التزام دوام اقامت در آن دیار چیست. باری امید از یگانه ایزد جهان آفرین است که هرجا باشند خلقی را رهنما و جهانی را پیشوا باشند.

بر زمینی که نشان کف پای تو بود

بود. خاص و عام این بقعه بی سبب آزار و مرد و
زن این تیره بوم مردم خوار بخاطر دارم که چون این
داوری بپایان رسد، به بهانهٔ ازین شهر برآیم و
کلکته را دریابم. حالی که دارم از روی عریضهٔ
موسومهٔ جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب سمت
انکشاف تواند یافت.

بخدمت مخدومهٔ معظمه کورنش و به عزیز از جانان
دعای طول عمر و افزونی دولت

(۲۶ / ۵)

قبلهٔ حاجات و کعبهٔ مهمات، مدظله العالی!

جانی که از دشمن دریغ نتوان داشت، اگر بپای
دوست افشانده شود، پیداست که چه مایه حق محبت
گزارده آید. ساری بهر رنگ بر سر سخن میتوان آمد
و سپاسی که به اندازهٔ جان و دل است، از کام و
زبان [illegible]. فیض ورود قدسی صحیفه در نظر
خویشم گرامی ساخت. دانستم که اگرچه ناکسم آفریده

خواجه حاجی خان مرحوم سعی در بر آمدن کار خواهم کرد. مرا خنده در گرفت و حیرت از خودم برد که قطع نظر از استحقاق و عدم استحقاق او، خواجه حاجی را خواجه حاجی خان مرحوم بکدام تمسك و کدام علاقه توان گفت. احمد بخش خان با آنکه برای خواجه حاجی پدری کرد و او را از ناکسی به کسی رسانید، پیوسته خواجه حاجی نبشت و خواجه حاجی گفت. اینك مخاطب بخطاب خانی کردن مانا و مشابه این نقل است که سنیی متعصب در انجمن جا داشت. ناگاه یکی از آن مجمع نام مبارك مرتضوی گرفت و گفت: «علیه السلام». آن متعصب بشورید، اما دم نزد و سر کلاوهٔ سخن را بجائی رسانید که ذکر ابن ملجم بمیان آمد. چون نامش برد، گفت: «رضی الله عنه». اهل بزم منعش کردند که قاتل علی ابن ابیطالب را رضی الله عنه مگو. آن متعصب روی درهم کشید و گفت: وبحك! هرگاه علی را که قاتل عثمان است، علیه السلام گویند، اگر من نیز ابن ملجم را که کشندهٔ مرتضی است، رضی الله عنه گفته

سالها سجدهٔ صاحب نظران خواهد بود

بعد از ورود مهین داور درین معموره آنچه روی خواهد داد بطریق عرض حال بوالا خدمت مخدوم بیکس نواز گزارده خواهد شد۔

$\left(\frac{٢٧}{٦}\right)$

قبلهٔ من،

سپاس این همه مهربانی که پس از عمری بیادم آورده اید، جز به سپری کردن عمری نتوان گزارد و دانم که از عمرم اندکی مانده است۔ هر آئنه آن سپاس را که از گزاردن آن قطع نظر نتوان کرد، از کام و زبان بدر میکشم و بمغز دل و جان می افگنم تا ناگزارده نماند و بی یاریء کام و زبان ادا کرده شود۔ بیکسان را یاد میآورید و روسیاهان را بنامه شاد میکنید یارب، بسیار بمانید! درین نامه که حالیا در بند نوشتن جواب اویم، مرقوم بود که فلانی می فرماید که سه خاص از برای اسد الله بلك از بهر فرزندان

بنام مرزا ابوالقاسم خان

(۲۸/۱)

معروض رای بیضاضیای آنکه نفقدرقم نامه باثمر های حوشگوار رسید. ازد بخشایشگر سابن مسافر دواری سلامت داردا دوروز آغا صاحب بفقیر حانه تشریف آورده بودند. حال ناسازیء مزاج والدهٔ خویش می گفتند. آخر روز من هم به امام باژه رفتم و رسم عیادت بجا آوردم. بالله از اثر های محبتی که بدآن مخدوم دارم چه شرح دهم، که از این معامله چه مایه پریشان خاطرم. اگرچه دعای همچونمن سیه کار و تبه روزگار چه قدر و کدام مقدار، اما وفور محبت آسوده نمیگزارد و زمزمهٔ دعا از لبم می رویاند. امید که چون ساده از آلایش ریاست، مقبول جهان آفرین افتد و اثری ساز دهد. صاحب من، درین هم چنین هنگام که خود پژمرده و جناب خانم صاحبه دل افسرده

باشم ماخوذ نخواهم بود». هم کلامه. آمدم بمدعا طرازی. نامهٔ موسومهٔ میرزا عباس خان رسانیده شد. از جانب اندرون به اندرون بندگی و از درون و برون یعنی هم بدل وهم به زبان بفرزندان ارجمند دعاها رسیده بادا

بر حسن برشته مغزش خرد مفتون. تیزی مذاق ململش چون ادای عتاب خوبان گلو سوز، و صدای شکست استخوانش مانند نغمهٔ چنگ و رباب سامعه افروز. می خواستم سخنی دراز کردن و پس از ستائش نعمت سپاس منعم ساز کردن که ناگاه کلـه از ناز چشمک زد و زبان بر کشود و بسر خود سوگند داد که اینك قلم از کف بگزار و لطافت مغز قلم در باب. چون خاطرش عزیز و نسمش غلیظ بود، چارهٔ جز تسلیم ندیدم.

(۳۰/۳)

جملهٔ من،

گرچه استدعای قدوم از بزرگان بی ادبی است، اما می بینم که خرشید بر خرابه میتابد و منت ندارد. ابر بر خس و خار می بارد و ننگ خود نمی شمارد. بدین پشتگرمیها هوس کرده می آید که امروز یك دو ساعت از روز باقی مانده به حشتکدهٔ راقم نزول

باشند، سعی و ابرام در باب رقم معاومه چه می بایست.
آری از آثار شیوهٔ کرم است که خود دردمند بودن
و بداد دردمندان رسیدن. از دست شکسته جز
دعا چه آید! سلامت باشند و دیر بمانند. زیاده زیاده.

($\frac{۲۹}{۲}$)

بعرض ریزه خواران طرف بساط جود و نوال
میرساند که کاه پاچه رسید و کام جان را بموج تبسم
شور انگیز حوان فرو غلتانید. هم دماغ را قوت
افزود وهم دست و پا را نیرو داد. مغزش بلطافت
خمیر مایه افزائش قوای بسانی، نی نی غلط کردم، مادهٔ
روغن چراغ زندگانی. کیفیت روانی شوربایش را فهم
معدہ آفرین خوان و شمار لذت غلتانی لقچه هایش
را امعاءالبحده گردان. نشان تا عیار شوکت شوربایش
شناخت، در نخستین حمله از بی‌جگری سپر انداخت و
زبان نا بسپاس لذت روانیش موج آبحیاتش از سر
گزشت، بهر جلوهٔ نظر فریب استخوانش ها مجنون و

(۳۳/۱۶)

قبلهٔ جان و دل سلامت!

گرد سر میگردم و جان بخاك آن كف پا میفشارم. سبحان الله، جاذبهٔ شوق را نازم كه امروز بامدادان سر از خواب برداشته بسیچ آن داشتم كه كتابتی در شكوهٔ تغافل بملازمان بنویسم. هنوز آن خطره در ضمیر راسخ نشده بود كه والا نامه بفریاد رسید و مرا از بند اندوه وارهانید. لله الحمد كه مزاج مبارك بصحت مقرون است. جهان آفرین همواره مسند نشین بزم عافیت داردا! و دل روغن بید انجیر سرمایهٔ روشنی چراغ زندگانی گردید. ایزد تعالی این خسته نوازی و بیكس پروری سلامت داردا! امروز بسبب هجوم ابر و باران به استعمال این روغن مبادرت نه كردم. بعد یك دو روز هرگاه سر شیشه خواهم كشود، بر مضمون «نصف لی و نصف لك» عمل خواهم نمود. زیاده جز دعای دوام دولت و اقبال چه عرضه دارد.

اجلال فرمایند و میرزا صاحب را با خود آرند۔ فقط

(۳۱ / ۴)

مخدوم و مطاع من سلامت!

دیروز انبہ کی کہ فرستادہ بودند رسید و در دو عالم سرفراز گردانید۔ صاحب نذر تا زمان ظہور خویشتن سلامت دارد و بہ اعلیٰ مراتب صورت و معنی رساند! زیادہ جز تسلیم چہ عرضہ دارد۔

(۳۲ / ۵)

مخدوم و ملاذ من،

بندہ بخانہ نمودم۔ چون باز آمدم، خوان نعمت آمادہ یافتم و سپاس منعم بجا آوردم۔ اللہ تعالیٰ بایں نوازش بسیار سلامت دارد! در امروز فردا اگر روغن بیدانجیر مرحمت گردد، خوشتر از الوان نعمای گیتی است۔ زیادہ نیاز۔

که بر فعل مسهل شما به موید باشد، به عمل آورده بودم- بخدا که اگر این گروه ها در راه نداشتمی، قطعه را خود متاع روی دست اخلاص ساخته بملازمت رسیدمی- اگر مرگ امان داد، درین دو سه روز به سعادت پابوس رسیده خواهد شد-

(۳۵ / ۸)

بعد التماس معروض اینکه بر تشبب جای ملازمان در بزم طرب سبز بود- چون بیامدنها وجهی داشت، ناچار بهجر ساخته شد- ندانم تفرقهٔ خاطر که از جانب بیمارداریها بود، بجمعیت مبدل شد یا هنوز از آن تشاویش اثری باقیست- امید که نوید عافیتی بفرستند و آرمیدگی بخشند- قبلهٔ من، این عرضه رقم کرده در بند آن بودم که بخدمت بفرستم که ناگاه عنایت نامهٔ جناب رسید- همانا اعجاز فرمودند- حقا که از نوید عافیتها مسرت فراوان اندوختم- الله تعالی شما را خرم و شاد و از هر غم آزاد داراد! و جناب میرزا محمد

(۳۰)

قبلهٔ جان و دل سلامت!

بامدادان که قطعهٔ در جواب والا نامه انشا کرده ام، آدم حضور گواهست که درچه سراسیمگی بچه رودی رقم زده ام. حاشا که جواب قطعهٔ جناب را نمی‌آوردید. گویا عرض از تحریر آن قطعه رسید دال و آچار بود و دیگر هیچ. امید که آنرا به آب بشویند یا به آتش بسوزند. چه آنرا بی اعانت فکر بد ستیاری خامه نگاشته‌ام. مبادا سقمی داشته باشد و بدست معاندین افتد. جناب را بسید الشهدا علیه السلام سوگند که آنرا بکس ننمایند و از هم بگذرانند. قطعهٔ که درین ورق مرقوم است، جواب قطعهٔ مرقومهٔ آن مخدوم است. هر که خواهد بنگرد، محابا نیست. شب رفته من نیز مسهلی از روغن بید انجیر و نمک آب آشامیده بودم. اما طبع آنرا نپذیرفت و رفع قبض نشد. امروز بطور خود ترکیبی

رخصت شما بخوبی خواهد شد. چون یکشنبه رسید، آخر روز از غمکده برخاسته بمکان مولوی سراج الدین احمد صاحب رفتم و شب در آنجا بروز آوردم. و روز دوشنبه هم از آنجا سوار شده نخست بدفتر خانه رفتم و از آنجا به بارگاه گیتی پناه رسیدم. ملازمت میسر آمد و عطر و پان مرحمت شد. چون بر گردیدم یاران نگزاشتند که بخانه باز آیم. شب هم در آنجا بسر شد. ع

درویش هر کجا که شب آمد سرای اوست

امروز صبح از آنجا سوار شده بخانهٔ دوستی که در اثنای راه بود رسیده بکلبهٔ احزان وقتی رسیدم که ملازم جناب نوازش نامه بر سر دست انتظار من میکشید. جواب آن منشور سعادت رقم ردم و پارهٔ از احوال خودم بگزاردم. مرا نیز کاغذ مطلوب بود. کهار را بمعیت آدم حضور به بازار فرستادم، تا کاغذ بوی دهانیده خود نیز آنچه به آوردن مامور است

حسین تغافل نفرموده اند. مگر از رنجوریهای پی‌نسپ بکوتهی نرفته اند. اگر فردا چتهئے نرسید، حسب الایمای جناب تقاضا بعمل خواهد آمد. و آداب عطای ابه مقبول باد!

(۳۶/۹)

معروض میدارد که نوازشنامه مع نانخورش های روان پرور ذائقه نواز رسید و سپاس نعمت ترزبان گردانید. منعم حقیقی اجر پرورش غربت زدگان ارزانی دارد! پارهٔ از حال من اینکه بروز پنجشنبه وقت شب ناگهان شنیدم که بروز دوشنبه جناب نواب گورنر بهادر دربار عام خواهند داد. چون من از تازه واردانم، بخود فرو رفتم و بامداد پگاه به دفتر خانه رفتم با جناب اسٹرلنگ صاحب بهادر صورت ملاقات نه بست. ناچار باز آمدم و شب در بیم و امید بسر برده روز شنبه باز رفتم. از راه عنایت حکم ملازمت دادند. برای خلعت عرض کردم. فرمودند که وقت

با طرب دمساز ماند که اینک مخدوم از در میرسد و شام غربتم را بامداد پدید می آید. این وقت سر داشتم که کس بفرستم و خبر مزاج عالی جویم که عنایت نامه رسید و تسکین بخشید. فردا تا نیمهٔ اول روز تکلیف نخواهند فرمود که بنده جائی خواهم رفت و بعد از دو پهر تا شام نقش دیوار غمکدهٔ خویش خواهم بود. زیاده تسلیم است و بس. کمتر از هیچ، اسد الله.

$\left(\frac{٣٨}{١١}\right)$

مخدوم بنده پرور سلامت!

آه از محرومیء دیروزه که همعنان کاروان آرزو بدر دولت سرا رسیدم و وا رسیدم که ملازمان سواره بجائی خرامیده اند. ساری خرسندیٔ دیدن قرة العین سعادت محمد میرزا تلافیء رنج دل کرد. ازدش در سایهٔ رافت مخدومی زنده دارد! نفسی چند بخدمت جناب تپان نشسته بسوی مهدی باغ رفتم شبانگاهی که بکلبهٔ احزان رسیدم، شنیدم که آفتاب بر این خرابه

بیارد۔ می خواستم این وقت بخدمت رسیدن۔ اما تحریر خطوط ضروری مانع آمد۔ اگر مانعی تازه بر نخاست، نقش آرزویم بر لوح مراد خواهد نشست۔ یعنی سر شام بملازمت خواهم رسید۔ زیاده نیاز

(۳۷/۱۰)

قبلهٔ بنده،

هرگاه نوازش نامه میرسد، مرا در مادهٔ بهمرسانیدن القاب و آداب چگویم که چه زبونی‌ها رو میدهد۔ آری هرگاه محیط قطره را بدین رنگ ستاید، از قطره بجز دست و پا گم کردن چه آید! و جائیکه آفتاب ذره را بدینگونه داگرمی نوازد، از ذره بغیر ازینکه رنگ تپشی ریزد چه خیزد! حق این است که حرف حرف خبر از جوش محبت میدهد۔ در تلافی این چنین عنایات و کرم از هیچ کسان جز گرد سر گردیدن و قربان شدن چه آید! جهان آفرین بـاین ترحم و تفقد سلامت دارد! امروز تا نیمه روز چشمم بخیال ساز و روانم

هر آئینه از پرده بدر می آیم و زمزمهٔ شوق فارغ از بیم و هراس میسرایم. مجمل اینکه تاب فراق و توان صدمات اشتیاق باقی نیست. بارها کس فرستادم و دو سه نوبت خود نیز از بیتابیٔ دل بدر دولت سرا رسیدم. از هر که پرسیدم، همین جواب شنیدم که هنوز تشریف نیاورده اند. خدارا، اگر در آمدن تاملی و توقفی باشد، بیاگاهانند تا مضطرب و سراسیمه نباشم. و اگر در دو سه روز توانند آمد، نویدی بخشند تا اندوه از دل برخیزد. نه پندارند که غالب در کار خود عجول یا در باب مدعا فضول است. حاشا که چنین نیست! اصل شوق دیدار منشاء این دراز نفسیهاست. آری این قدر هست که از درماندگیها چشم طمعی بر بیکس‌نوازیهای جناب سامی دوخته و شمع هوسی در نهانخانهٔ خیال برافروخته ام. و میدانم که بیش از من خون گرم چاره‌سازیهای مسند. چه دانم که این قدر اسکر اقامت در آنجا درو انداختن خاصه از بهر دستگیری و بهم سازیٔ من باشد.

تافته بود و ذره ام روشناس پرتو قبولی نشد.
حسرت بر حسرت افزود و اندوه بر اندوه رو نمود.
پارهٔ از خویشتن رفتم و لختی گریه بکار دل کردم.
ضمیر صفوت تخمیر محدومی دلاسایم داد و این آمد و
شد همدیگر را از عالم آثار وحدت حقیقی و محبت
معنوی وا نمود. برخی تسکین اندوختم و بخود آمدم.
امید که محبت در افزائش و کرم سر گرم بخشایش
بادا فقط

(۳۹/۱۲)

بعد التماس امید گاه بیکسان خان صاحب جلیل المناقب
عمیم الامتنان میرساند که اگر دانستمی که از گزارش
بیداد طول زمان فراق در زمرهٔ تقاضائیان مدعا طلب
شمرده نخواهم شد، چه گریبانها دریدمی و از داد زهره
گداز دوری چه غوغا نالیدمی. اما منت ایزد را که
طبع حق پرست و حق شناس آن امید گاه مخلصان
معیار عیار وداد و نقاد نقود صدق و سداد است

اما مصلحت اقتضای این معنی کرد. بهر رنگ کار بعنایت است و باقی بهانه.

$\left(\frac{۴۱}{۱۴}\right)$

قبلهٔ من،

بخدا که هردم خیال ناسازیء مزاج آقا محمد حسین دلم را رنجه دارد. خدای توانا آن گوهر قلزم مروت یعنی آقا صاحب را سلامت دارد و تندرستی بخشد. اگرچه بنده را در هوگلی بندر بسبب تعرقهٔ رمیدن ملاحان کلکته و از کف رفتن آن سفینه و جستجوی زورقی دیگر پنج روز اتفاق اقامت افتاد و مکتوبی خاص از بهر استخبار تندرستیء آقا صاحب معرفت متصدیء سرکار نواب صاحب بنام سامیء جناب رقم کرده فرستادم. اما چون در آن پنج روز جوابش نرسید، دلم شوریده تر گشت. خداوندا، صحتش بخشیده باشی، هر نفس ورد زبان من است. انداز غمخواری که از ملازمان جناب درحق خویش دیده ام، نه

هرچند این مجموع مراتب چنانکه باید خاطر نشان و دل نشین است، اما دل از بیحوصلگیها بجوش و لب از هرزه‌نوائیها بخروش می آید. مامول که عذر بی اختیاریهای شوق بپذیرند و بر خردان خرده نگیرند. و السلام والا کرام!

(۲۰/۱۲)

مخدوم صورت و معنی سلامت!

پایان صحبت مشاعره بخاطر بود نکتهٔ چند تحویل سامعهٔ جناب ساختن و دل را از اندوه پرداختن. اما هلاك شیوهٔ عزم جوانانهٔ جنابم که از حلقهٔ بزم به آئینی پدر خرامیدند که تودیع بعمل نیامد تا به تسلیم چه رسد. ناچار ایدون خامهٔ نیازرقم را وکیل گزارش مدعا ساخته مکتوبی بنام نامی آغا صاحب رقم زده در نورد عرضداشت فرستاده است. مترصد که سراپای آن نگرسته بمکتوب الیه بسپارند. می بایست که هرچه به آغا صاحب نگاشته‌ام بخدمت آن مخدوم عرضه داشتمی.

حسین صاحب امری دیگر نبود- چون در آن پنج روزه درنگ پاسخ نرسید و کشتی دست بهم داد، دانگ براه افتادم- بخدا در هیچ سر منزل از حال آغا محمد حسین فارغ نبوده ام و هنوز آن کشاکش همچنانست- نیاز نامه از مرشدآباد در نورد عرضهٔ موسومهٔ جناب میرزا احمد بیگ خان دام مجده ارسال یافته- خوش باشد، اگر رسیده باشد- خدارا، در جواب این نامه سطری چند بر پارهٔ کاغذی رقم کرده همان در نورد مکتوب مخدومی میرزا احمد بیگ خان بفرستند که آن صحیفه در باندا بمن خواهد رسید و سرمایهٔ آرامش جان مستمند خواهد بود- بخدمت آغا صاحب سلام شوق، اما نه بدان معنی که به زبان بگویند، بلك این صفحه رانشان بنمایند، که در حقیقت این مکتوب نخست برای ملازمان جناب والاست و پس از آن همچنان برای بندگان حضرت آغا- دو قطعه نکردن نامه بهوای سبکباریء کاغذ است- و انصاف بالای طاعت، مضمون نیز جز عرض مراسم سلام و دعا گوئی و شیوهٔ خیر

چندانست که امد کی ار بسیار آن شرح توانم داد. بخدا، به پیشگرمی اخلاق شما داغ فراق دهلی بر دلم سرد بود. شکر است و صد هرار شکر که در غربت یك گرانمایه ار ارباب وطن یافتم. اما حیف که دیگر امید وصال نیست. جناب مرزا صاحب وعده دادند که به دهلی خواهم رسید. باشد که اتفاق افتد. لیکن دستم بدامن شما دگر نخواهد رسید. آه از من، ووای بروزگار من! امروز که روز سه شنبه است، در مرشدآبادم و کشتی میجویم. امید که همین یك دو روز براه دریا روان گردم. الله بس، ماسوا هوس!

$$\left(\frac{۶۲}{۱۵}\right)$$

مخدوم من،

توقف در هوگلی اگرچه اختیاری نبود، اما انتظار جواب مکتوبی که بتوسط وکیل نواب علی اکبر خان بخدمت فرستاده بودم، سرخوش نشئۂ کیفیت انتظارم داشت. و حقا که از آن نامه جز استخبار آغا محمد

نخست بود، به باندا رسیدم. و روز سه‌راهه از این جایگاه روان خواهم شد. کولبرك صاحب رسیدنت دهلی از عهده معزول و فرانسیس هاکنس صاحب بفرمانده‌ی دهلی منصوب اند. گویند مرد نیست رحیم القلب سلیم الطبع. اما حیف که مایل بسیر و شکار افتاده و بی پروا واقع شده؛ گوش بفریاد مظلومان نمی نهد، و داد ستمدیدگان رود نمیدهد. هرچند در معامله من حکم صدر محکم است، اما از جناب ملا زمان شما و آقا صاحب چشم آن دارم که نخست دریابند و وا رسند که مستر فرانسیس هاکنس بهادر که پیش از ین حاکم اول صاحبان دائر و سائر بودند و حالیا از بریلی به دهلی رسیده، رسیدنتی دهلی می کنند، با جناب کرنیل صاحب رابطهٔ دوستی دارند یا نه. اگر باهم آشنا باشند خیر؛ و اگر دوستی درمیانه باشد، جناب سامی و آقا صاحب بخدمت حاکم صاحب از جانب من آداب رسانیده و نیکی های مرا یاد دهانیده چنان کنند که سپارشنامه نکف آید که هم حکم سرکار و هم تحریر کرنیل صاحب باهم آمیخته

طلبی نیست. حال خاکسار اینکه امروز از ساحل نشینان معبر عظیم آباد ام و فردا از رهگرایان سر منزل مراد. خدا بسلامتم رساند و شبم را سحر گرداند! و السلام!

(۴۳
۱۶)

قبلهٔ من،

نوید صحت یاورن آغا صاحب دلم را تازه و روانم را شاد کرد. خدایش زنده دارد و بمدارج بلند رساند. والله مرا از ته دل به آغا محبتی است! هرچند اظهار مهر و وفا شعار من نیست، اما زبان را چه کنم که جز بحرف حق نمی جنبد. با ملازمان سامی دعوی مهر و خدمت بی ادبی است. من و خدای من که شما در کلکته غم غریبی و اندوه بیکسی از دلم ربوده بودید! میدانستم که کلکته دهلی است و غربت (وطن)، زندان گلستان است و بیابان چمن. بزرگ منید و مربی جان و تنید. بالجمله روز آدینه که غرهٔ جمادی

باین عبارت که به «دهلی در کهاری باؤلی قریب دیوان خانهٔ نواب نوازش خان در حویلیء نواب عبدالرحمٰن خان بمطالعه اسد برسد».

(۴۴/۱۴)

قبلهٔ من،

اگر ذوق امید عفو نبودی، دل به نگارش نامه یاری نمیداد. گرفتم که ملازمان جرم مرا بخشیدند و خط نسخ بر خطای من کشیدند، خود را در نظر خویشتن چگونه گرامی گردانم؟ ع

اگر گناه نه بخشند، شرمساری هست

اینکه در واقعهٔ نورچشم محمد مرزا سطر تعزیتی از رگ کلکم نه میده، بیشترم خوار و نژند دارد. اما من و خدا که روزی چند در فکر تاریخ و روزهای دراز در پریشانیء خودم سپری شد و هنوز نه تاریخ مردن

ذریعهٔ حصول التفات و وصول بسرمنزل نجات گردد.
اگرچه من به کلکته نیم، اما بودن جمب و آغا صاحب
می‌ساند. در زمان بودن من بسر کار وابسته به
مهربانیٔ ملازمان بود و بس. بلک اگر در عرض این
تمنا حاجت بدان افتد که برای ارنیل صاحب نیازنامهٔ
از جانب من باید داد، اجازت است که عرضه از جانب
من به القاب و آداب شایسته نبشته بگذرانند. بلک
میدانم حاجت بدین مایه ابرام نخواهد بود. بخدمت
آغا صاحب سلامی بصد شوق و پیامی بهزار آرزو
معروض است. اگرچه مرض رفع شده، لیکن جوانی باید
کرد و احتیاط نباید گذاشت. مضمون صدر بضمیر
فرا باید گرفت و نیکی هایم یاد باید داشت. در آغاز
کار کوششی بسزا فرموده اند. حالیا که عقده را هنگام
گشایش فراز آمده، توجهی بنمایند. و بخدمت خانم
صاحبه و قبله بندگی رسیده باد. اگر خدا خواست و
هاکنس صاحب آشنای کرنیل صاحب برآمد و چتهی
بکف افتاد، عنایت نامه جداگانه به دهلی بفرستند ممنون

(۴۵/۱۸)

بنده نوازا،

عمریست که خبر از حال شما ندارم. چه گویم
که چه مایه در خون می تپم و چه قدر خسران می کنم!
مرا خود روز سیاهی پیش آمده است که از فرط
آشفته سری شب از روز و سر از پا نمی شناسم.
فرصت بخود پرداختنی کجا و سرو برگ سینه ساختنی کرا!
می دانم که از واقعهٔ محمد میرزا ملول و از ناسازیء
روزگار بخود مشغولید. خدای مهربان شما را شاد و از
بند غم آزاد داردا درین روزها از روی اخبار پدید
آمده است که فضای کلکته جولانگاه هوای وبائی
است. سخت پریشان شده ام. خدای را، به همه بیدماغی
و دلتنگی بر من مهربان باید شد و دو، سه سطر از
عافیت خود باید نگاشت و تندرستی و خورسندیء
حکیم صاحب را ضمیمهٔ آن باید ساخت و پس ازان
که این مراتب را در تحریر تفصیلی وافی داده آید، از

محمد مرزا سرانجام یافته و نه نقش امید رستنم درست نشسته. فرمانده این دیار حال مان مرا بسیلاب فنا داد و رنج و محنتم ضایع و حق مرا تلف کرد. اگرچه مرهم این خستگی و مومیائیء این شکستگی در دار و خانهٔ صاحبان صدر هست، اما چون منی را بار تا در آن دادگاه رسیدن دشوار. میشنوم که نواب گورنر بهادر به هند می‌آیند. نه بینم که من گرد آن سپاه بدیده میکشم، یا خاک من جولانگاه آن موکب علیا می شود. حضرت سلامت، از بی مهری و نا انصافیء این حاکم شکستگیی درکارم افتاده است که شرح آن بصد هزار زبان نتوان کرد. قطع نظر از کامیابی و ناکامی طعنهٔ خواص و خندهٔ عوام را بشور آورده و در خون دلم رستخیز قیامت افگنده است. مقصود ازین ناله های زار آن است که اگر در نامه نگاری درنگی روی دهد، به بیوفائی متهم نباشم. زیاده نیاز.

و کمر بقتلم بسته - ندانم مگر فرمان او بر خاص و عام کلکته رواست که جمله یاران به تبعیت وی برخاسته اند و در عتاب افزوده و در مهر کاسته اند - بخدا از نرسیدن نامهٔ مرزا احمد بیگ خان برنج اندرم! مهربانی راچه شد و دوستی کجا رفت؟ اکنون که صریح دانستم که مرزا صاحب بپاس ربط فلان بیگ طریقهٔ فرستادن نامه و پیام را مسدود کردند، من نیز خود را از تحریر مکاتبات به کناره کشیده ام - و بحساب چه گویم، که از روز نخست رسم و راه نامه و پیام سر نکرده اند - ناچار بمقتضای گمانی که بر عنایات شما داشتم، این عرضداشت بخدمت فرستادم - اگرچه میدانم که پاسخ نخواهد رسید، اما هنوزم بر شما نیم گمانی است و گنجائش امتحانی - زیاده زیاده -

بخدمت آغا صاحب نامهربان آداب خاکسارانه و نیازهای درویشانه قبول باد، بشرطیکه در صورت پذیرفتن آداب نیاز این روسیاه از جانب فلان بیگ احتمال رنجش نباشد - والسلام خیر ختام -

حال ماند وبود خویشتن مجملی رقم توان کرد که
خاطرم بصد رنگ بشما نگران است۔
والسلام علی من اتبع الهدی۔

(۳۶/۱۹)

قبلهٔ من،

بخبرتم که کدام جرم بزرگ از من بوجود آمده
که سزاوار این همه عقوبت گردیدم۔ جناب سامی خودگاهی
بنامهٔ یادم نفرموده اند و جواب بیاز نامه های
من نفرستاده۔ میرزا احمد بیگ خان راچه شد که سه ماه
گزشت و مکتوبی ازآنجناب نظارهٔ امروز نگشت۔
من به دهلی به روز سیاهی که دشمن نیز مبیناد، درمانده
و مهربانان کلکته یك قلم رخ التفات از من گردانده۔
فلان بیگ که ایختی از وی و حال وی بگوش شما
رسانده ام، سپهر را بکام خود دیده ورق آشتی برگردانده
و نامهٔ بی وفائی برخوانده است۔ پیمان یاری شکسته

بنام ادارهٔ جام جهان نما

(۴۷/۱)

چهره پردازان اوراق جام جهان نما را از
اسد الله خان دادخواه آئینهٔ عرض این مدعا در نظر باد
که این سنگ آورنشش که موسوم به اسد الله خان
و معروف به مرزا نوشه و متخلص به غالب برادر زادهٔ
نصر الله بیگ خان جاگیردار متوفی سوبك سونسا ست
حق خود. که عطیهٔ سرکار انگریزی است، از جاگیردار
فیروزپور می خواهد. بار پرس مراتب انظلم بموجب
حکم صدر والا قدر محکمهٔ محتشمهٔ رسیدنشی دهلی
در پیش، و اصل مقدمه به پیشگاه عام پناه کونسل عالیه
در تجویز است. اما از آنجا که جاگیردار فیروزپور
توانگر است و من تهی دست، گروها گروه مردم
خاص و عام با وی یك دل و یك زبان اند. از آنجمله
خبرنویسان در بارگاه رسیدنشی اسه بیت حصول نوابی

(۳۷/۲۰)

ستایش و نیایش و کورنش و تسلیم، این همه تمهید تقاضای فرستادن عبودیت نامهٔ [غالب] دهلویست. اگر فرستاده اند سپاس بر سپاس، و گرنه مکرر التماس.

بنام شیخ ناسخ

(۲۸/۱)

سبحان الله!

متاع مرا این همه ناروائی خریداری و مرا با ین همه ناکسی غمخواری هست. چه کنم، تا سپاس عنایت ناگذارده نماند! هانا هم در این سگالش لب خواست بر زبان بر آید که «جان فدایش بادا». عبرت در چشمك زنی و همت درجان گدازی؛ چه جانی که جوانمردان از دشمن دریغ ندارند، اگر بپای دوستی افتانده باشم، پیداست که چه مایه حق وفا بتقدیم رسانده باشم.

قبله و قبله گاه غالب دردمند سلامت!

مشکین رقم صحیفه مشام آرزو را غالیه سا و چهرهٔ آبرو را پرده کشا آمد. جامهٔ مخدوم به گلبانگ التفات پردهٔ چند از پرسش رویداد سخن را در دو مقام نشست همدمی بخشید. نخست در معرض استفسار کیت رز ڈگری و

که در آزار من گمان می کنند. حال مقدمهٔ مرا بعنوانهای سازا مذکور و مشهور می کنند و سدارا اطبع جام جهان نما می فرستند و آن خبرهای خلاف واقع بمطالب طبع در می آید و پیداست که با یك شهر ستیزه نتوان کرد و خلقی را از حال خود آگه نتوان ساخت.

چه کنم با یك آسمان اختر چه کنم با جهان جهان دشمن

ناچار از سطوت اعدا بخدای پناهم، و از اعیان دارالطبع جام جهان نما آن می خواهم که همت به نواختن بیکسان گمارند و این چند سطر را در اوراق جام جهان نما بقالب طبع در آرند. و آینده هر خبری که بنسبت بدین گمنام مسهام از دهلی برسد، از نظر اندازند و در جام جهان نما منطبع نسازند. اما این استدعا برای دوام است و داعی را در قبول این ملتمس خیلی ابرام.

سخن شاهان ورود نیامد، روی گردانده‌ام و بر خود
دریغ خوردم. اکنون من کجا و سفر دکن کجا!
سی سال در رنگ و بو و می و نی بسر رفت. اکنون
دل را بدینها گرایشی نمانده و داعیهٔ (رهائی) از بند تن
پدید آمده. همه آن می خواهم که یکباره مرزبوم ایران
را به پیمایم و آتشکده‌های شیراز را بنگرم. و اگر
پای عمر بسنگ نیاید، سرانجام کار به نجف اشرف برسم
و مزار ان را که از دانش آسایش بدر آورد و بیخود
بخود کشید بنگرم، مستانه جان دهم و سر بپایش بنهم

غالب، روش مردم آزاد جداست
رفتار اسیران زه و زاد جداست
ما برگ مراد را ارم می دانیم
وان باغچهٔ ضیعهٔ شداد جداست

انصاف بالای طاعت است. عزیمت سفر بی گسستن
بند وام امضا پذیر نیست، و چون این بند گسسته و این
سنگ از راه برخاسته شد، حیف باشد که جز راه

آنگاه به نمونهٔ مهر دیگر- نهفته نماند آنچه که در
عبودیت نامهٔ پیشین ازین عالم گفته شده بود، سزایی
بیان داشت؛ ورنه مرا که با کشاکش تقاضا خو کرده
مدتی دراز در مخمصهٔ قرض بسر برده ام، ازین هنگامه
بر دل بندی و گزندی نیست. و چون این مایه زر که
از من بدارا قضا خواسته می شود، بدان نمی ارزد که
خاطرم را پراگندگی دهد، چه از پنج هزار فزون
نیست- بهای زیور و پیرایهٔ شبستان بدین وفا تواند کرد.
آنچه که مرا می باید داد، از چهل هزار افزون تر و از
پنجاه هزار کم است. حاشا که بدین وجه آرزوی امرا
گرد دل گردد؟ با خود مناسب حالم بوده باشد. اگر
این قدر از دست بهم دهد، تا به نشینم و منت منت
بر مدعیان افشانم و خود را ازین بلا که دنیاش نامند،
برکران کشیده قلندر گردم و گیتی را سراسر گردم.
اینکه لختی از عمر تلف نمودم و مدح شاه اوده
سرودم، آرایش بساط این تمنا بود و دریوزهٔ دستگاه
این هوس. چون کار ساخته نشد و زمزمهٔ من بدلهای

حصۂ دوم

منظومات

نجف پویم و وای برمن اگر حز وی جویم! چندو لال رمزۀ ما راچه داند و هنجار ما را کی دریابد۔ آنکه در پارسی قتیل را باوستادی گیرد، غالب راچه می کند؛ و آنکه در اردو نصیر را ستاید، ناسخ را چه می کند! و خود عمرش از هشتاد متجاور است، تا باو میرسم، او به جهنم میرسد۔

غزل

«اسد اللہ خان غالب در توصیف مرزا احمد بیگ خان
طپاں و مرزا ابوالقاسم خان قاسم»

دیکھنے میں ہیں گرچہ دو، پر ہیں یہ دونوں یار ایک
وضع میں گو ہوئی دو سر، تیغ ہے ذوالفقار ایک

ہم سخن اور ہم زباں، حضرت قاسم و طپاں
ایک طپش کا جانشیں، درد کا یادگار ایک

نقد سخن کے واسطے، ایک عیار آگہی
شعر کے فن کے واسطے، مایۂ اعتبار ایک

ایک وفا و مہر میں، تازگیٔ بساط دہر
لطف و کرم کے باب میں، زینت روزگار ایک

گلکدۂ تلاش کو، ایک ہے رنگ، ایک بو
ریختہ کے قماش کو، پود ہے ایک، تار ایک

مملکت کمال میں، ایک امیر نامور
عرصۂ قیل و قال میں، خسرو نامدار ایک

قطعهٔ

« ابو القاسم خان باسد الله خان غالب »

ای مسیح زمان، تو می دانی
بجنابت ارادتی که مراست

بو علی کی رسد به تشخیص
کی فلاطون مثال تو داناست

می برد، گر بگویمت بقراط
ور فلاطون بخوانمت، زیباست

مسهلی دادی و بهر مسودی
نعمل آر بیگان که شماست

زان عمل دور شد مرض بالکل
گر بگویم توئی مسیح، بجاست

گلشن اتفاق میں، ایک بہار بی خزاں
میکدۂ وفاق میں، بادۂ بی خمار ایک

زندۂ شوق شعر کو، ایک چراغ انجمن
کشتۂ ذوق شعر کو، شمع سر مزار ایک

دونوں کے دل حق آشنا، دونوں رسول پر فدا
ایک محب چار یار، عاشق هشت و چار ایک

جان وفا پرست کو، ایک شمیم نوبہار
فرق ستیزہ مست کو، ابر تگرگ بار ایک

لایا ھے کہہ کے یہ غزل، شائبۂ ریا سے دور
کرکے دل و زبان کو، غالب خاکسار ایک

مرحبا، مرحبا، تعال، تعال
این چه جود و چه فیض و این چه عطاست

بارم آچار را که از ترشی
چین پیشانی بت رعناست

آبم بی زدانه دانهٔ دال
بر سپهر خیال جلوه نماست

از عطای تو پیش، هم زین دال
قدری لطف کردهٔ آغاست

اینک آن را بصندوق می بخشم
کرده هر گونه از مصالح راست

که سوارش رقم صحیفهٔ تو
برسید و دلم رضا برخاست

گفتم: اول جواب بنویسم
زانکه مکتوب قبلهٔ جانهاست

قطعهٔ

«اسدالله خان بفامم»

ای گرامی نژاد والا جاه
که درت باب سجدهٔ امراست

دودمان تو مفخر آفاق
تو بنازد اگر زمانه رواست

فرق خورشید را بود افسر
هر غباری که از درت برخاست

امرا زادگان هندستان
همسری با توگر کنند، خطاست

نسبت دیگران به شوکت تو
ذره با مهر و قطره با دریاست

دال و آچار سرکه را نازم
که دل زار هر دو را می خواست

قطعهٔ

«دوم در جواب قطعهٔ قاسم»

قدر دانا، لطیفهٔ دارم
بپذیری اگر ز بنده، رواست
کلك اسد شده ام ازین تحریر
آب و رنگ نشاط طبع تو خواست
بنده را از کرم ستودستی
مشت خاشاك را چه قدر و بها است!
بو علی و مسیح و افلاطون
هرچه گفتی بگو که از تو سزاست
بی ادب باشم، ار کنم تکذیب
بی خرد باشم، ار شمارم راست

سوی دال است این زمان جانم
دیدن قطعه را دماغ کجاست

سرسری چند شعر بنوشتم
تا نگوئی: اسد خموش نواست

تا درین کارگاه شام و سحر
شام تاریک و صبح وقف ضیاست

شام عیش تو آن چندان روشن
که بگویند: صبح عشر تهاست

روز خصم تو آن چندان تاریک
که بدانند: این شب یلداست

ای روانم فدای هر سخنت!

مرحبا این چه طبع معنی زاست!

تو کلیمی بر اوج طور سخن

پنجه بر ساعدت ید بیضاست

در صف دشمنان ز بهر نهیب

خامه را در کف تو حکم عصاست

از من اصلاح آرزو کردن

سر بسر هیچکس نوازیهاست

لیکن این بیت زآنهمه ابیات

خللی دارد، ار بگویم راست

«مسهل دادی و امر سودی

بعمل آر پیکان که شفاست»

نسبت من به بو علی سینا

صاف همچون سراب با دریاست

بو که در چار سوی کلکته

که چنین قحط حکمت و حکماست

بو علی گفتنم روا باشد

خرس در کوه بو علی سیناست

سپس از شوخیء ندیمانه

گویم احوال قطعهٔ که تراست

لفظش آئینه دار حسن ادا

معنیش پود و تار عکس رساست

نقطهٔ حرف اشمارش

مردم چشم مردم بیناست

مثنوی باد مخالف

ای تماشائیان بزم سخن
وی مسیحادمان نادر فن

ای گرانمایگان عالم حرف
خوش نشینان این بساط شگرف

ای سخن را طراز جان داده
صفحه را ساز گلستان داده

عطر بر مغز گیتی افشانان
پهلوانان پهلوی دانان

ای گرامی فنان ریخته گو
نغز دریا کشان عربده جو

ای سخن پروران کلکته
وی بلند افسران کلکته

آخر لفظ مسهل از سر سهو

کسره بنوشته و موقع یاست

یای توحید بر نگار این جا

کسره خود بی مضاف الیه خطاست

ان انشا زبان نکرد ازین

ایک عیب طریقهٔ املاست

بدعا ختم می کنم نامه

زانکه سرمایهٔ فقیر دعاست

وقف تو باد از خزانهٔ غیب

هرچه در دین و هرچه در دنیاست

شاد و خرم بزی که در دو جهان

دستگیر تو سیدالشهداست

اسد الله خان هیچمدان

جاده پیمای وادیء حرمان

به تظلم رسیده است این جا

به امید آرمیده است این جا

آرمیدن دهید روزی چار

خستهٔ را به سایهٔ دیوار

گرچه ناخوانده مهمان شماست

بی سخن، ریزه چین خوان شماست

کار احباب ساختن رسم است

میهمان را نواختن رسم است

آن ره و رسم کارسازی کو؟

شیوهٔ میهمان نوازی کو؟

هر یکی صدر بزم بارگهی

شمع خلوت سرای کارگهی

هر یکی پیش ساز قافلهٔ

هر یکی کدخدای مرحلهٔ

ای به شغل وکالت آماده

داد غمخواریء جهان داده

ای شگرفان عالم انصاف

بشارت رسیده از اطراف

ای رئیسان این سواد عظیم

وی فراهم شده زهفت اقلیم

همچو من آرمیدهٔ این شهر

بهر کاری رسیدهٔ این شهر

چه بلا ها کشیده ام آخر!

که درین جا رسیده ام آخر

به سیه روز غربتم ببینید

اسره شبهای وحشتم ببینید

ناله دوریء وطن نگرید

غم هجران انجمن نگرید

نه همین ناله و فغان به لبم

من و جان آفرین که جان به لبم!

مویه چون موی کرده است مرا

غصه بدخوی کرده است مرا

ذوق شعر و سخن کجاست مرا!

کی زبان سخن سراست مرا!

کیستم؟ دل شکسته غم‌زدهٔ

بیدلی، خستهٔ، ستم زدهٔ

برق بیتابیی به جان زدهٔ

مست آتش به خانمان زدهٔ

از گداز نفس نه تاب و تبی

در بیابان یاس تشنه لبی

دردمندی، جگر گداختهٔ

از غم دهر زهره باختهٔ

در آگاهیء فنا زدهٔ

همه بر خویش پشت پا زدهٔ

خس طوفانیء هجوم بلا

سر بسر گرد کاروان فنا

مهربانان، خدای را، انصاف

تا نخست از که بود رسم خلاف؟

نمک اندر سبوی می که فکند؟

به چمن رستخیز دی که فکند؟

زلف گفتار را که درهم کرد؟

بزم اشعار را که برهم کرد؟

بیش را بیشتر که گفت به من؟

بد زدن بیشتر که گفت به من؟

همه عالم غلط که گفت نخست؟

پارهٔ زین نمط که گفت نخست؟

موی را بر کمر که گفت غلط؟

شعر را سر بسر که گفت غلط؟

امده خویش کرده زار مرا

با سخن پروری چه کار مرا؟

دارم آری ز هرزه لائیء خویش

نوحه بر خویش و بینوائیء خویش

گـردش روزگار خوانستم

حیرت کاروبار خو بستنم

با من این خشم و کین، دریغ دریغ!

من چنان، آن چنین، دریغ دریغ!

بر غریبان کجا رواست ستم؟

رحم گر نیست، خود چراست ستم؟

ور نگوئید، ماجرائی هست

از تو در گفتگو خطائی هست

تا بشوریده دل ز بی‌جگری

بفغان آمدم ز خیره سری

گله مندانه گفتگو کردم

پارهٔ در سخن غلو کردم

چون شنیدم که نکته پردازان

قدرداران و انجمن سازان

از من آزرده‌اند زان پاسخ

به پایش بخاک سودم رخ

خجلت آوردم و جنون کردم

خویشتن آب و دیده خون کردم

آب گردیدم و چکیدم من

قطره آسا بسر دویدم من

چون بدیدید کاعرض خطاست

هرچه غالب نوشته است بجاست

رشتهٔ بیاریوس تاب که داد؟

معترض را ز من جواب که داد؟

چون بدیدید بی گناهیء من

تان نه شستید روسیاهیء من؟

ارچه بود، آن نه عرصه دم زدن

در ره آگهی قدم زدن

نکشودن لبی بیاوریم

خیره بگزاشتن به داوریم

هر که دیدم، ره خموشی رفت

بود لازم بران گرفت گرفت

رخ دعوی به برفروختمی

بیرسان همچو شمع سوختمی

دیگرم با هزار رنگ خروش

این نوا میخورد به پردهٔ گوش

که دگر بلبلی صفیر زده است

طعنه بر طعنهٔ نفیر زده است

باوجودیکه شعر من صاف است

«زده» را میزند، چه انصاف است؟

اعتراض آتشی بجانم زد

شعله در مغز استخوانم زد

«زده» را کسره خود ظرافت نیست

یای وحدت بود، اضافت نیست

نفس من شمع در ته گرفت

کس ایاوم نه هیچ بر اگرفت

روی دعوی بسویم آوردند

سخن من به رویم آوردند

داغ کشم از آن ملامت ها

سوختم از کف ندامت ها

نه ایام ز شاعریست، نه بیم

بود شایسته من مرا تسلیم

زانکه آنهم رضای یاران بود

رنگی از خوش این بهاران بود

کاش با اعتراض ساختمی

ناله در زیر لب گداختمی

چون برارد ز انگبین موش
زدهٔ غم سواد مفهومش

ایك در بعض حاله در همه اش
لفظ «مارے ہوے» ست ترجمه اش

حاصل معنی، ای ذوی الافهام
می براورد از ن سیاق کلام

ایك مدت سے یہاں هم آے ہوے
بیٹھے ھیں آپ کو مٹاے ہوے

همچنین آن محیط بی ساحل
قلزم فیض، میرزا بیدل

از محبت حکایتی دارد
که بدبنسان بدایتی دارد

واضع طرز این زمین نه منم

در خور سرزنش همین نه منم

دیگران نیز گفته اند چنین

گوهر راز سفته اند چنین

شورش آماده رفته اند همه

هم برین جاده رفته اند همه

در نورد گزارش زده ها

کرده اند از نشاط عربده ها

اکثر از عالم شتاب زده

می زده، غمزده، شراب زده

می زده، غمزده، که ترکیب است

بخیال فقیر تقلیب است

من که و عزم داوری کردن؟

ساز بزم سخنوری کردن؟

خاک پای سخنورانم من

دوستان را ز کهترانم من

با بزرگان نیازها دارم

همین شیوه سازها دارم

بنده ام بنده مهربانان را

رمز فهمان و نکته دانان را

خار دامان دوستان بودن

خوشتر از باغ و بوستان بودن

لغو بود آنچه گفته ام زین پیش

این زمانم خجل ز گفتهٔ خویش

«عاشقی، بیدلی، جنون زده

قدح آرزو بخون زده»

واش خود بوضع مقلب است

در یمین سا کدام ترکیب است

کرده ام عرض همچنان «رده»

طعنه بر بحر بیکران زده

مگر آن شعر زین نمط نبود

ور بود، شعر من غلط نبود

وه که دیگر ز جاده برگشتم

خیره بودم، سفینه ترگشتم

ساده او هم، مراچه رنگ، چه ریو؟

آوخ آوخ، ز جاهلانه غریو!

هم سخنها به گفتگوی داشت

هم خرابانیانه هوی داشت

با بزرگان سپیره پیش گرفت

زحمتی داد و راه خویش گرفت

مرگ دنیا به ساز دبش بود

ننگ دهلی و سرزمینش بود

آه از آن دم که بعد رفتن من

خون دهلی بود به گردن ما

هم برنجید و هم برنجانید

از من خسته رخ بگردانید

به وداعم کسی از شما نرسد

شوق را مژدهٔ وفا نرسد

بجز اهل نظر نپذیرند

خرده بر لغو من چه میگیرند؟

نقش بند بنای این نه خسم

لغو را گفته «لا یؤاخذکم»

به رآویزش زبان نرسم

من و ایمان من کز آن ترسم

که پس از من بسالهای دراز

به زبان ماند این حکایت باز

که سفیهی رسیده بود این جا

چند روز آرمیده بود این جا

شوخ چشمی درشت خوئی بود

بیحیائی و هرزه گوئی بود

وینکه در پیشگاه بزم سخن

به زبانها فتاده است زمن

که فلان با قتیل نیکو نیست

مگس خوان نعمت او نیست

حاش لله که بد نمی‌گویم!

وآن هم از پیش خود نمی گویم

خود کسی ناسزا چرا گوید؟

ناسزا آنکه ناسزا گوید

فیضی از صحبت قتیلم نیست

رشک بر شهرت قتیلم نیست

نه هواخواهیی، نه دشمنیی

در میان نیست پای هم فنیی

تا بوم رنج دوستان باشم

بر دل انجمن گران باشم

شاد گردند کز میان بروم

وای بر من که من چسان بروم؟

خسته و مستمند بر گردم

دزم آیم، ستزنده بر گردم

زین سپس نیست دعویء سخنم

سد مسد دود شمع ز انجمنم

ناله بیصرفه چون جرس نزنم

بی صدا گردم و نفس نزنم

نشکنم بر رخ بیان رنگی

بر نه خیزد ز سازم آهنگی

میروم از پیء قندیل همه

ساخته مر ورا دلیل همه

تو ازین حلقه چون بدر زدهٔ

گام بر جادهٔ دگر زدهٔ

ای تماشائیان ژرف نگاه

هان بگوئید حسبةً لله

که چسان از حزین به پیچم سر؟

آن به جادو دمی به دهر سمر

دل دهد کز اسیر بر گردم؟

زان او آئین صفیر برگیرم؟

دامن از کف کنم چگونه رها؟

صائب و عرفی و نظیری را

مگر آنان که پارسی دانند

هم برین قول و عهد و پیمانند

که ز اهل زبان نبود قتیل

هر گز از اصفهان نه بود قتیل

لاجرم اعتماد را نه سزد

گفته اش استناد را نه سزد

کاین زبان خاص اهل ایران است

مشکل ما و سهل ایران است

سخن است آشکار، پنهان نیست

دهلی و لکهنؤ ز ایران نیست

دوستان را اگر زمن گله است

که خرامم خلاف قافله است

دل و جانم فدای احباب است

شوق وقف رضای احباب است

بشنوم خویش را به صلح دلیل

می‌سرایم نوای مدح و تبجیل

تا نماند دگر ز من گلهٔ

رسد از دوستان وی صلهٔ

مرحبا طرز خوش بیانی او

حبذا شور نکته دانیء او

نخل‌مند حدیقهٔ معنی

پادشاه سلیقهٔ معنی

به برومندیء خیال دقیق

موشگاف غواص تحقیق

سحر سازان پاستانی را

سعدی و طالب و فغانی را

خاصه روح و روان معنی را

آن ظهوری جهان معنی را

آنکه از سرفرازیء قلمش

آسمان ساخت پرچم علمش

طرز اندیشه آفریدهٔ اوست

در تن لفظ جان دمیدهٔ اوست

تشنهٔ گفتگوی ایشانم

مست لای سبوی ایشانم

لیک با اینهمه که این دارم

گنج معنی در آستین دارم

بر بساط سخنوری نامی
در سخن هم پیاله با جامی

چون می ء گفتگو به کاس کند
زهر در جام بونواس کند

به کلامش نیاز حسان را
همزبانیش فخر سحبان را

بر درش انوری و خاقانی
آن به دریوزه، این به دربانی

بوجود چنین شگرف بیان
رشك دارد عجم به همدستان

وصف او حد چون منی نبود
سپهر در خورد روزنی نبود

پشت معنی قوی ز پهلویش

جاده را فربهی ز بازویش

طرز تحریر را نوی از وی

صفحه را رنگ مانوی از وی

چه نژاد است که در نکات ویست!

رگ گل ابرهٔ دوات ویست

لفظش آئینهٔ ادای خیال

معنیش شاهد پری تمثال

قلمش نونهال گلشن راز

رقمش سبزهٔ حدیقهٔ ناز

نثرش آئینهٔ صفای وحید

نظمش آهنگ بربط ناهید

سلام

سلام اُسے کہ اگر بادشا کہیں اُس کو

تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اُس کو

نہ بادشاہ، نہ سلطاں، یہ کیا ستایش ہے؟

کہو کہ خامسِ آلِ عبا کہیں اُس کو

خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی!

کہو کہ رہبرِ راہِ خدا کہیں اُس کو

خدا کا بندہ، خداوندگار بندوں کا

اگر کہیں نہ خداوند، کیا کہیں اُس کو؟

فروغِ جوہرِ ایماں، حسن ابن علی

کہ شمعِ انجمنِ کبریا کہیں اُس کو

من کف خاک و او سپهر بلند
خاک را کی رسد بچرخ کمند

این رقم‌ها که رفت کلک خیال
بود سطری ز نامهٔ اعمال

ای من آن ساره‌ای هیچمدان
معذرت نامه ایست زی یاران

او که آید ز عذرخواهیء ما
رحم بر ما و بی‌انتباهیء ما

آشتی نامهٔ بود از پیام
ختم شد، والسلام والاکرام

ہمارے درد کی، یارب، کہیں دوا نہ ملے!

اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اُس کو

ہمارا منہ ہے کہ دیں اُس کے حسنِ صبر کی داد؟

مگر نبی و علی مرحبا کہیں اُس کو

زمامِ ناقہ کف اُس کے میں ہے کہ اہلِ یقیں

پس از حسین علی پیشوا کہیں اُس کو

وہ ریگِ تفتۂ وادی پہ گام فرسا ہے

کہ طالبانِ خدا رہنما کہیں اُس کو

امامِ وقت کی یہ قدر ہے کہ اہلِ عناد

پیادہ لے چلیں اور نا سزا کہیں اُس کو

کفیلِ بخششِ امت ہے بن نہیں پڑتی

اگر نہ شمعِ شبِ روزِ جزا کہیں اُس کو

مسیح جس سے کرے اخذِ فیضِ جاں بخشی

ستم ہے، کشتۂ تیغِ جفا کہیں اُس کو

وہ جس کے ماتمیوں پر ہے سلسبیل سبیل

شہیدِ تشنہ لبِ کربلا کہیں اُس کو

عدو کی سمعِ رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات

کہ جن و انس و ملک سب بجا کہیں اُس کو

بہت ہے پایۂ گردِ رہِ حسین بلند

بقدرِ فہم ہے، گر کیمیا کہیں اُس کو

نظارہ سوز ہے یاں تک ہر ایک ذرۂ خاک

کہ لوگ جوہرِ تیغِ قضا کہیں اُس کو

مثنوی

علامه هان، ای دقیقه اندیشان

حق پرستان و معدلت کیشان

ای زبانتان وصف جهد و جهاد

راز دانان دین و دانش و داد

شاهی ما بدهر حادث نیست

او بر تختهٔ حوادث نیست

داوت هر کس که جست عنوانش

منتهی سایه یافت اعلانش

زان تماشاگاه تا صفی الله

بود هر دیده ور بسی الله

یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
برا نہ مانیے، گر ہم برا کہیں اُس کو

علی کے بعد حسن اور حسن کے بعد حسین
کرے جو ان سے برائی، بھلا کہیں اُس کو؟

نبی کا ہو نہ جسے اعتقاد کافر ہے
رکھے امام سے جو بغض، کیا کہیں اُس کو؟

بھرا ہے غالبِ دلخستہ کے کلام میں درد
غلط نہیں ہے کہ خونیں نوا کہیں اُس کو

هیچ کس دم ز اعتزال نزد

گام بر مسلک خیال نزد

دشمن جوهر نگاه نه ام

منکر رویت آله نه ایم

رسم ما نیست نا سزا گفتن

کار ما نیست جز ثنا گفتن

خانه زاد رسول و آل ویم

دشمن خصم بد سگال ویم

خانه زاد نبی و آل نبی

نه کنند با صحابه بی ادبی

زانکه ایمان امین و داد گراند

با نبی همنشین و هم سفر اند

شد به نیروی این دلیل درست
که نیاگان ما ز روز نخست

یا گرامی پیمبران بودند
یا که شاه سروران بودند

زان سپس روزگارهای دراز
در سراپرده‌های عزت و ناز

بود هر کس به کشور آرائی
تا به چنگیز خان مسیحائی

چون قراچار دم زد از اسلام
ملکه قوم یافت ماه تمام

بعد ازان ما بما که بوظفریم
همه فرزندمان داه کریم

رقص با خودنمایی خام آرد

صید دیوانگی بدام آرد

با تو گویم اگر یقین داری

کاین بزرگان ز روی دین داری

خیر خواه رسول و آل ویند

عاشق جلوهٔ جمال ویند

دوستان را شمردهٔ دشمن

درخور سرزنش توئی یا من؟

آنچه اندیشهٔ نهانیء تست

همه از روی بدگمانیء تست

کار دین مشکل است آسان نیست

بدگمانی طریق ایمان نیست

کیش بیگانگی رها کرده

چو نبی مال و جان فدا کرده

به ولای نبی و عترت او

یافته ملك دین بدولت او

بد سگال صحابه بی دین است

درخور صد هزار نفرین است

کار اصحاب دین و دل مشمر

حال ایشان چو حال خود مشمر

گر ترا حرفهٔ نکوکاریست

حب ایشان طراز دینداریست

فکر بغض صحابه سودا ئیست

خاطر امر را سویدا ئیست

کان غلط بسکه بر زبانها رفت

تا اوده ران غلط نشانها رفت

دیده باشد که شهریار نیم

کارفرمای بد و دار نیم

شاهیء من بجز ریاست نیست

بهر من پایهٔ سیاست نیست

لاجرم رفت و هرچه خواست سرود

باروا گفت خود نه راست سرود

بر چنین کس هزار نفرین بادا

لعنت از حق، ز خلق آمین بادا

دی که توقیع من نوشت به جعل

خاطرم راست اندر آتش نعل

پیش ازین آنچنانکه ما بودیم
حرفی از راز بر ملا گفتیم

تاج و تیغ و نگین خود از ما بود
دولت و ملك دین خود از ما بود

آن نیرزد به غصه، گر این ماند
ملك گر رفت، گو برو، دین ماند

اندرین روزگار گر شب و روز
ما نداریم طالع فیروز

حاصل ماست با همه خم و پیچ
گوشه و توشهٔ و دیگر هیچ

بی شکوهی[1] و ظلمت الدینی[2]
بست بر من غلط بد آئینی

۱— مرزا حیدر شکوہ کی طرف اشارہ ہے
۲— مرزا نورالدین کی طرف اشارہ ہے

لیک بدنام کرد و داد است

که ز خون ریختن زیاد است

بخورم خون دل ز خشم چرا؟

که رود بر من این دروغ و مرا

نیست یارا درین گذرگه تنگ

که بگویم من و رود سرهنگ

تا زبان از قفا برون کشندش

چون بمیرد بخاک و خون کشندش

یا بگیرند و خوار و زار کنند

واژگون بر خرش سوار کنند

روسیه گرد شهر گردانند

گر نگردد، بشهر گردانند

حاش لله که پنجهٔ سیمین

ستُرد نقش داد و دانش و دین

پنجهٔ را که ساخت خود به سنبر

چون تواند شمرد دست آویز

راه حق را بحرف نتوان بست

خود زواگویه طرف نتوان بست

آن یکی کز خدا نداشت حیر

مر نبی را شمرد جادو گر

چون نگردد رها رسول خدا

«من لسانِ الوَرىٰ فکیفَ اَنَا»؟

گرچه برمن بزور نتوان بست

تهمتی را که مرد نادان بست

رای حکام دهر ما چه بود؟

اینچنین جرم را سزا چه بود؟

گر جفا پیشه را نیازردم

به امینان ملک بسپردم

بر طفرا ملک و دین خدا داد است

داد خواهیم و کار ما داد است

نامه را ختم کن که پایان یافت

مدعا صورتی نمایان یافت

علما را ز حود دعا بهر ست

وین نمودار جا بجا بهر ست

ورتو گوئی: «مجال و یارا نیست»

حاکمان راست، گرچه ما را نیست

دهر را حاکمان دادگر اند

که زهر کس بداد بیشتر اند

هر که بد کرد، کیفر آن هست

قتل گر نیست، بند و زندان هست

لاجرم من که بادشاه هستم

پیش دادار دادخواه هستم

علت جهل کم گناهی نیست

بهر مجرم گریز گاهی نیست

جعلسازی و فتنه پردازی

جرم دانی و نشمری بازی

بدستانها می سرایند۔ و سر هیچ نوالی و ساشی درین
سرکار بر سر کار نیامده که سلسه جانان ناحن ندیء ون
نگشته و سپاس و ستائنم بفضل و کمالی که ندارم بحضور
بادشاه وقت حود نکرده باشد۔ و لیکن با این همه، آشی که
در دهلی بکاسه داشتم دارم۔ چند ماه پیش ازین منشی
الملوك بمشاورت ارکان دولت الله مدت عرصداشتی
متضمن مرور مشاهرهٔ من از نظر اقدس حضرت
ظل سبحانی گذرانیده در عرض ترہنم زبان جسارت
بمبالغهٔ تمام مطاق نموده بودند۔ وهم واقعمان حاشیهٔ
بساط فیض بساط در آن فصل منجر بخیر همگنان
من ویرا بوجه وجیه موافقت و معاونت نمودند۔ حضرت
بعد اصغای[1] معروضات تحریری و تقریری برای تحویز و
اجرای رانبه ام ناصیهٔ عرضداشت را بنام سعید الدوله که
در آن زمان بواسطهٔ مطایبهٔ باگفتنی بلند پایگی یافته
همگی رتق و فتق و ضبط و ربط مهمات ملکی و مالی
بپای خود گرفته[2] بود و کوس «انا ولا غیری» می کوفت،

۱ــ ن: استماع ۲ــ ن. آورده

ضمیمهٔ الف

رقعهٔ ناطق بنام غالب

ای آنکه پری نامهٔ من، رو بنما کن
صد قافلهٔ رشك به بین بر اثر خود

چون شرح اشتیاق ملاقات آنجناب کرامت انتساب نه بمثابه ایست که درحیز تحریر گنجائی پذیرد، ناگزیر به گزارش برخی از سوانح ساحت این صوب سامعه خراش میگردد. کما بیش ده سال میگذرد که زمین گیر این دیار میباشم. اما طرفگیهائی که از وضع این دیاریان دیده ام، هیچ کافر نه بیناد! از خواص و عوام این مخلوق کمتر کسی بوده باشد که نسبت تعارف اسمی یا جسمی با من درست نه کرده باشد. بلکه از بدایت ورود تا حال بزعم خود ها از جرگ اساتذهٔ مسلم الثبوتم نهاده اند. کج عجبی که گاه گاه نوکریز قلم نامربوط رقم می گردد، بصد ابرام از من ربوده

منزل است! و تغافلی که درین چند سال نگاشتن نیاز نامها بکار برده ام، جز این علتی نداشته که در عرض دوسه سال مسودهٔ دیوان بلاغت تبیان خود را کرةً بعد اولی و مرةً بعد اُخری نامزد من فرموده بودند و من هم از سادگی دل بقول شما نهاده نقاش برنداشتم. عاقبت کار هنگام گسیل چون لب بتقاضای[1] آن کشودم، بلطائف الحیل پیچیده عذری چند نا هموار لنگی برفتار آورده پای ایمای وعده در مقام حلف افشردند و دست عطا در آستین مضائقه کشیدند. با همهٔ اینکه این حریف جهان گرد گیتی پیماست. چون نالکهٔ دیگر تازد، چه عجب که غالب را از دیوان بر خیزاند و ناطق را بجایش نشاند. هیهات هیهات!

من چنان، تان چنین، دریغ دریغ!

حالیا تلافی انتساب بدگمانی که بذات من حمل نگال شده بود، منحصر درین است که تا حالت مطالعهٔ نامهٔ اخلاص

---

[1] ن: بطلب

بحکم ناطق تزئین و توشیح فرمودند۔ آن خداگیر ناوصف سوابق مواجهت و سوالف نوانست به تحریک حبائت حبلی طریق تغافل ورزید، تا رسید بجائی که رسید۔ آری،

بس تجربه کردیم دریں دیر مکافات
با دردکشاں هرکه در افتاد بر افتاد

و باز درین روزها پیش نهاد خاطر اراکین دولت آنست که عرضداشتی دیگر متضمن مضمون سابق از پیشگاه نگاه اقدس و اعلیٰ گذرانیده آید۔ و مصلحت دید من اینکه دیدهٔ خام طمعی به یکبارگی از ین باغهای سبز بر بسته در پایان پائیز به شهپر توفیق ازین آشوبکده پرواز گرفته، در آن گلزمین بهار آگین نفسی راست نمایم، و چندی دیده و دل را بدیدار و گفتار آن دوست نور و سرور افزوده از آنجا

بشهر خود روم و شهریار خود باشم

چه بر گذارم که شوق استسعاد ملازمت آن مجمع محاسن صوری و معنوی چه مایه پیرامون گرد دل ارادت

لفظ است؟ چه اگر فی نفس الامر پنجه نباشد، پس خوك سم دارد نه پنجه. و اگر مجانست خطی با پنجه دارد یا آنکه نزد شعرا اطلاق سم و پنجه به محل همدیگر جائز الاستعمال است، پس اعلام باید فرمود، تا پی بحقیقت آن برده باشم. الله تعالی عمر بلند نصیب کناد!

(جواب غالب به ناطق؛ پنج آهنگ ۳۴۴)

خنامه آنچه از عالم نظم و نثر ازو فشاندهٔ کام و زبان مبارك است. بدستیاریء چار یار هر همه بمن فرستاده آبد، تا من آن را هم هیکل گردن جان با نیاز نمایم و هم بر سخن آشنایان این مرد سوم ساز نمایم. و نیز شخصی که صاحب چهاپه خانهٔ مشهور این شهر است و با این بلا گردان پر محنت رو مربوط، انگشت ترغیب بر پهلویش زده ام اعناب که کلیات را بمجرد رسیدن به طبع رساند. تکلف بر طرف، از گرد آوردن نتائج طبع مطبوع مخلص پناهی مرا بسر حدی انجامیده که میگویم: بار خدایا! همین که غالب کلیات خود بمن فرستد، به پیمان منه کند بمان ترك سخن گوید، تا دلم شکنجهٔ کشش دغدغهٔ این معنی نشود که شاید من بعد سخنی تازه سراید و آن بمن نرسد. و درین شعر مثنوی «درد و داغ» که

حوك شد و پنجه زدن ساز کرد

با سر و رو عربده اغاز کرد

کاتب لفظی بصورت پنجه بقلم داده است. آیا این چه

بـاده گردد بجـام آب حیـات

خط ساغــر شود سبیل نجات

بی بردد مثـــال پیك نگاه

بر ره راست می رسد گمراه

خصم گردد ز قهر او منکوب

گرچه غالب بود، شود مغلوب

ابر فیضش بود چو سایه فگن

گل چمن، دانه میشود خرمن

لطف او همچو کیمیـا باشد

گـر بود مس، همه طلا باشد

مورد لطف حق چو شد انسان

می نمـاید تمیز سود و زیان

ضمیمۂ ب

(غالب کی بے نام مثنوی کے جواب میں جو مثنوی)
(لکھی گئی تھی اُس کا کچھ ابتدائی حصہ)

گر بود لطف ایزد متعال

سایہ گردد ہمای اوج کمال

شبہ رشک در خوش آب شود

ذرۂ خاک آفتاب شود

یوسفی گر بود بحال خراب

می بر آید ز چاہ ہمچون آب

برہمن شیخ بی ریا گردد

رند میخوار پارسا گردد

قطرهٔ آب شد در شهوار

گشت آهن طلای دست افشار

ذره گردید سیر اعظم

شد چراغ کنشت شمع حرم

ناریان را ازین خبر چو رسید

آتش کینه شعله ور گردید

بست بر شه غلط بد آئینی

شعرکی چند گفت بیدینی

آن سفیه غوی ز کیادی

گام کورانه زد بهر وادی

پای خود را بهر کجا که نهاد

قلم آسا خودش بسر افتاد

فکر عقبای تلاش دین دارد
چون نظر عقل دوربین دارد

چون بتائید خالق عالم
بو ظفر بادشاه مهر خدم

گام زد بر طریق صدق و یقین
یافت ملک یقین و دولت دین

با علی ولی تولا کرد
ور طریق ربون تبرا کرد

میکش عشق بوتراب شده
ذرهٔ درد آفتاب شده

پارهٔ سنگ یافت رفعت طور
نار پیدا نمود لمعهٔ نور

قوله

هله هان، ای دقیقه اندیشان

حق پرستان معدلت کیشان

تر زبانان وصف جهد و جهاد

راز دانان دین و دانش و داد

شاهی ما بند هر حادث نیست

نوبر نخانهٔ حوادث نیست

جوابه

بشنوید، ای گروه دانش و داد

وی مقیمان منزل ارشاد

هر که بست است این طلسم خراب

جانب او کنم روی خطاب

تهمتی بست از ره سروبر

بر چنان پادشاه پاک ضمیر

کرد منسوب صاحب مبهوت

خزف خود به معدن یاقوت

هر که اشعار او بچشم شنید[1]

همچو گل بر حما آتش خندید

هرچه موزون نموده بی سود است

اول این شعله زاده[2] مردود است

۱- شنید بمعنی دید

۲- شعله زاده کنایه از ابلیس

بشنو، ای قائل کلام قبیح

هست این اعتقاد کفر صریح

این همه ادعای با فرجام

راست باید بمذهب اسلام

ادعای فضول را بگذار

سخن ناقبول را بگذار

گفتن این کلام نیست روا

چون همه حادث اند غیر خدا

جاهلی از علوم ربانی

تو حدوث و قدم چه میدانی؟

سخن جاهلانه بی سود ست

دعویء بی دلیل مردود ست

فـائل این کلام بی توقیر

می سراید ترانهٔ تکفیر

هر کز این قول شاه عادل نیست

عالم و فاضل است، جاهل نیست

جعل کردی، عجب دغا کردی

با سلاطین چه مکرها کردی

اینکه طرح فریب ریختهٔ

خاك بر فرق خویش بیختهٔ

بندم غیر از ره تزویر

زدهٔ حرف چون دهان نفیر

گشت معلوم حیله سازیء تو

چه شود از خروس بازیء تو

جوابیه

نسب پادشاه نیک سیر

هست از آفتاب روشن تر

تو که پیوند کردهٔ شاهم

شاخ آن را به نخلهٔ آدم

نام آبای شه نهان کردی

نسب مادری بیان کردی

تهمت است اینکه بستهٔ بر شاه

روی خود را نمودهٔ تو سیاه

چون نگویم که شاه نیک نهاد

نسب خویش را ندارد یاد

همه اجداد آن شه منصور

سلطنت داشتند تا تیمور

از چمن هرزه چنانکی بیار آ
باید کس قصهٔ همایون را
مملکت گر نه حادث است، بگو
از چه شد این تغیرات در او

قوله

ذات هر کس که جست عنوانش
منتهی شاید یافت اغلاطش
زان شناسنامه ما صفی الله
بود هر دیده ور نبی الله
شد به پیروی این دلیل درست
که نیاکان ما ز روز نخست
یا گر ی پیغمبران بودند
یا کسران مایه سروران بودند

قوله

زان سپس روزگارهای دراز
در سراپرده های عزت و ناز
بود هر کس به کشور آرائی
تا به چنگیز خان مسیحائی
چون قراچار دم زد از اسلام
بنگه قوم یافت ساه تمام
بعد ازان تا بما که بو طمریم
همه مرمان دهان داد کریم

جوابه

این کلام تو کذب آمیز است
کز نیاگان شه نه چنگیز است

بود تیمور خود جهانبانی

پیش از و کس نبود سلطانی

تا به قاچولی ز ترآغانی

کس نبوده به کشور آرائی

نه سلاطین نه سروران بودند

بلکه محکوم دیگران بودند

تو مگر داری، ای عدوی خدا

اعتقاد ثبوت اینها

پس ازین کفر و زندقه باز آ

یاد کن «لا نبی بعدی» را

هر که این اعتقاد می دارد

بارش لعنت بر سرش بارد [1]

---

۱ - نسخه: «ابر لعنت بفرق او بارد»

هان، پسر زادهٔ همان خونریز

خلف اوکتای بن چنگیز

منحرف شد ز کیش آبائی

گام زد بر طریق عیسائی

پیش ازو عیسوی نبود دگر

نیست بهرهٔ ز دین [illegible]

قوله

هرکس دم ز اعتزال نزد

گام بر مسلک خیال نزد

جوابه

پوچ وهم و خیال را دادم

گمرهی اعتزال را دادم

کار او بود قتل و جنگ و ستیز

مشرکی بوده است آن خونریز

قابل طعن داخل النسب است؟

مورد لعن داخل النسب است؟

دادهٔ ای سفیه زنافرجام

به شهنشاه دهلوی دشنام

کافر نعمتی، خطا کردی

خوب حق نمک ادا کردی

اگر این حرف شاه گوش کند

مثل چنگیز گردنت بزند

ای فرنگی نهاد عیسائی

ملتش بود کی مسیحائی؟

نام او بهر انتباه بس است

بهر تکذیب این گواه بس است

قوله

دشمن جوهر نگاه نیم

منکر رویت الله نیم

جوابه

دشمن جوهر نگاه شدی

قائل رویت الله شدی

هست بهر خدا مگر بنگر

که تو نظاره اش کنی بنظر

توبه می بایدت، خطا کردی

تهمت جسم بر خدا کردی

نه بود هیچ در خفی و جلی
فرق تا شعری ز معتزلی

آن یکی گمره و دگر غزوی
مسلکی زرد است، آخر این آوی

ور نگوئی تو از ره تزویر
که در اجداد شاه کشور گیر

هر یکی داشت مذهب سنی
کس نبوده ز شیعیان علی

راست خواهی، دروغ گویان را
نبود حافظه، نه شرم و حیا

بود در عهد خود بهادر شاه
مؤمن پاک خسرو ذی جاه

گفتن بد اگر نبود روا

وضع گردید لفظ لعن چرا

می برد بد بدل ز گفتن بد

هر که از ضرب لعن می ترسد

تو که ابلیس را ثنا گوئی

تو لهب را تو مرحبا گوئی

وای بر دینت، این چه آئین است!

مدح کفار کار بی دین است

باد کن یاد قصهٔ موسیٰ

گوش کن بانگ لن ترانی را

دعوی این محال بی دینی است

دیده ات کو ره این چه بد دینی ست

قوله

رسم ما نیست ناسزا گفتن

کار ما نیست در دنا گفتن

خانه زاد رسول و آل ویم

دشمن خصم بد سگال ویم

جوابه

ناکسان را بجا ست بد گفتن

نا سزا را سزا ست بد گفتن

اشاریہ

متفرقاتِ غالبؔ

سید مسعود حسن رضوی

مطبوعاتِ کتاب خانۂ ریاست رامپور

۱۔کتاب الاجناس (عربی)، ابو عبید ہروی کا ایک نادر رسالہ جس میں مصنف نے وہ الفاظ جمع کیے ہیں، جن کے کئی معنی ہوتے ہیں۔
قیمت ۱۰ آنے

۲۔دستور الفصاحت (فارسی)، یکتا لکھنوی کی کتاب کا دیباچہ اور خاتمہ، جسے* تذکرۂ شعرا کے طور پر چھاپا گیا ہے، اس میں ۳۵ اساتذۂ اردو کا حال اور منتخب کلام درج ہے۔
قیمت ۲ روپے ۸ آنے (مجلد) ۲ روپے (غیر مجلد)

۳۔نادرات شاہی (ہندی)، شاہ عالم ثانی (متوفی ۱۲۲۱ھ) کے ہندی کلام کا مجموعہ جو خود بادشاہ کے حکم سے سنہ ۱۲۱۲ھ میں مرتب کیا گیا تھا۔ عمدہ سفید کاغذ پر دیوناگری اور اردو دونوں خطوں میں اصل نسخے کے مطابق چھاپا گیا ہے۔
قیمت ۳ روپے (غیر مجلد) ۳ روپے ۸ آنے (مجلد سادہ)
〃 ۵ روپے (ہاف باؤنڈ چرمی)

۴۔اوراق گل (اردو)، ہندوستان کے ۲۹ مشہور زندہ شاعروں کا تذکرہ، جس میں سرگزشت حیات کے ساتھ تصویر، خط کا عکس اور منتخب کلام شامل ہے۔ کتاب نہایت عمدہ سفید آرٹ پیپر کے ۲۲۸ صفحات پر مجلد شائع کی گئی ہے قیمت ۱۰ روپے

۵۔سفر نامۂ مخلص (فارسی) آنند رام مخلص کا روزنامچہ، جو امرا نے شاہی لشکر کے ساتھ نواب سید محمد خان بہادر (والی روہیل کھنڈ) پر حملے کے زمانے میں مرتب کیا تھا۔
قیمت ٦ روپے مجلد